TIGHT BINDING BOOK

UNIVERSAL
LIBRARY
OU_222494
UNIVERSAL
LIBRARY

تنقیح

عالم خیال

Checked 1965
Checked 1969.

شوق قدوائی۔

عالمِ خیال

ایک بے اضافت و بے بدل نظم

(بہر چہار رُخ)

مُصَنِّفہٗ

مولانا مولوی احمد علی صاحب شوقؔ قدوائی لکھنوی

مصنف ترانۂ شوق قاسم و زہرہ لیل و نہار وغیرہ

سنہ ۱۹۲۳ء

منروا پبلشنگ کمپنی لکھنؤ نے چھپوا کر شائع کیا

ع سوم

قیمت ۸ مر

مقدّمہ

عالم خیال کی لطیف نظمیں کس پایہ کی ہیں؟ اس کا جواب طرز بیان کی سلاست، بندشوں کی نفاست، زبان کی فصاحت، مضامین کی جدت، فطری جذبات کی کثرت، غرض اصناف سخن میں جتنی خوبیاں اور اُن خوبیوں میں جتنی دلفریبیاں داخل ہیں اُن سبھوں کی مجموعی حالت اتنی شہادت دے رہی ہے کہ ان کو لاجواب تسلیم نہ کرنا سخن فہمی کی قلمرو میں انصاف کا خون کرکے دماغ اور دل کو ظلم کا مجرم بنانا ہے۔ ارسطو کا قول ہے کہ وہ حکیم نہیں جو شاعر نہ ہو، شاعر نہیں جو قدرت کے مناظر اور فطرت کے جذبات کو سطروں میں نہ جکڑے، شعر نہیں جو اثر کے جادو سے دلوں کو مسخر نہ کرے۔ حکیم کا اطلاق اگرچہ کُلاً مفہوم اصلی پر نہ ہو سکے، مگر جزءً یہ لقب اس معنی سے ہندستان کے مشہور سحر بیان حضرت منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی کو ضرور دینا چاہیے کہ ان کی نظمیں فلسفیانہ خیالات سے اس طرح بھری ہوتی ہیں جس طرح فضائے بسیط اثیری (وہ مادہ جس پر قوت حیات کا مدار ہے) سے بھری ہوتی ہے۔ انھیں نظموں کو دیکھ کر فلسفہ شاعری کا یہ مقولہ

تسلیم کرلینا پڑتا ہے کہ شاعری اور مصوری دونوں ایک مادر طبع کے بطن کی جڑوان توام ہین۔ عالم خیال ہی کی دلفریب نظموں کو دیکھئے، فلسفۂ اخلاق اور فلسفۂ معاشرت انسانی سے کسقدر آراستہ ہین!

فارسی میں شاعری کی جامع تعریف شاید نہ ملے گی۔ یہ دوسری بات ہے کہ مختلف اقوال کو یکجا کر کے ایک نتیجہ نکال لو۔ البتہ انگریزی کے شعرا نے مختصر الفاظ میں اسکی ایسی تعریف کی ہے جسکو جامعیت کے لحاظ سے انسان کا دماغ کہنا چاہیئے۔ کہ دیکھنے میں تو چھوٹا سا مگر ہونے کو تمام عالم کے خیالات کا مرکز ہے۔ مثلاً یورپ کا نامور شاعر شیلی کہتا ہے کہ شاعری فطرت کی مخفی دلفریبیون کے چہرے سے نقاب کو اُلٹ دیتی ہے، اور اُسکے جذبات کا ہمارے دلون پر یہ اثر ہوتا ہے کہ جس شے سے ہم کو اُنس نہو اُس سے بھی اُنس پیدا ہوجاتا ہے۔ ملٹن کہتا ہے سب سے زیادہ نظم کی خوبی یہ ہے کہ وہ سیدھے سادے الفاظ مین اور نازک خیالیوں کے ساتھ بااثر ہو۔ حضرت شوق (قدوائی) کی نظمین فلسفہ، سائنس، سینری یا نیچر کے کسی مذاق پر ہون، اور عالم خیال کے چاردن رُخ جو اخلاق اور معاشرت کے دلفریب نقشے نظارے کے سامنے کھینچ رہے ہیں، اُن پر شیلی اور ملٹن کے اصول شاعرانہ سے نگاہیں ڈالی جائیں تو سب تعریفیں ٹھیک اتریں گی۔

انسان کا کوئی خیال دو حدوں سے باہر نہیں جاسکتا، یا وہ محسوسات خارجی کے دائرے میں رہیگا یا داخلی کے۔ انھیں دو حدوں میں شاعری بھی محدود ہے۔ خارجی سے دل پر کم اثر پڑتا ہے، اور داخلی سے دلی جذبات متحرک ہو کے رگ و پے میں اسطرح دوڑ جاتے ہیں، جسطرح بجلی کا اثر جسم میں دوڑ کے محسوسات انسانی پر حاوی ہو جاتا ہے۔ یہ عالم خیال کی دلکش نظموں کو دیکھئے۔ ان کے ظروف مین مصنف نے محسوسات

داخلی کو اس کثرت کے ساتھ بھر دیا ہے کہ اُن کے جذبات ہر طرف چھلکے پڑتے ہیں اور ندرت کی لطف بادائیں جو حسنِ معاشرت کو آغوش میں دبائے ہوئے ہیں اپنی کثرتِ شوق سے قوت مدرکہ پر بجلی کا اثر ڈال رہی ہیں۔ گویا خیال کے سامنے اداؤں کی ایک مجسم تصویر کھڑی ہے جسکا حسن دل کو اسطرح کھینچ رہا ہے جسطرح مقناطیس لوہے کو کھینچ لیتا ہے۔

فلسفۂ شاعری یہ قرار دیتا ہے کہ سخن سنجی وہبی ہے بیشک وہبی ہے۔ مگر موزونیٔ طبع وہبی ہے اور کمالِ فن کسبی۔ بعض جاہل بھی موزوں طبع پائے جائینگے۔ وہ شعر کہہ لیں لیکن یہ ممکن نہیں کہ قلمروِ سخن پر قبضہ کرکے اپنا سکہ بٹھا سکیں۔ اُن کا کھوٹا سکہ اکثر ٹکسال باہر نظر آئے گا۔ وہ ارادہ کرکے مضامین کی جدت، خیالات کی نزاکت، الفاظ کی سلاست، بیانات کی وسعت اور جذبات فطرت نہیں پیدا کر سکتے۔ انکی شاعری نہ توقع کی مناسبت سے فصاحت پر قابو رکھتی ہے نہ بلاغت پر۔ انکی سخن آفرینی جنگل کے خودرو پیڑ سے مشابہ ہوگی جسکی تربیت نہ ہو اور جا بجا کجی اور ناہمواری کے عیوب سے بدنما نظر آئے۔ اسی بنا پر اعلیٰ درجے کے قابل اور بلند پایہ سخن فہم مسٹر مشیر حسین قدوائی نے **عالم خیال** کے پہلے رُخ پر جو ریویو لکھا ہے اُس میں یہ بات بھی ظاہر کی ہے کہ زمانے کے رنگ کے ساتھ اردو شاعری نے بھی طرز بدلی۔ گو اُس نے پہلے رکیک شعرا پیدا کیے مگر پھر حضرت شوق قدوائی سے قادر الکلام اُستاد بھی نکالے جن کی نظمیں **حسن** اور **عالم خیال** کے ناموں سے شاعری کی دُنیا کو محو کر چکی ہیں۔"

۱؎ اس فقرے کا یہ مطلب ہے کہ انگریزی علم ادب کا مذاق پھیلا تو اردو میں جذبات و محسوسات فطری کی جانب شعرا کے خیالات مائل ہوئے ۱۲

۲؎ یہ ایک جداگانہ نظریہ ہے جو نہایت ہی لطیف ہے ۱۲

اس جملے کے لکھنے سے یہ منشا ہی کہ طبع کی موزونی جس کو فلسفۂ سخن دیسی قرار دے چکا ہی اس کو یہ قدرتِ کلام جو حضرت شوق کی دلکش نظمون مین نظر آرہی ہی بغیر اکتساب اور تکمیل فن کے نہین حاصل ہو سکتی۔

جسطرح شاعری کو مصوری سے تناسب ہی اسی طرح موسیقی سے بھی، اور جسطرح موسیقی سے جذبات روحی جنبش مین آتے ہین اسی طرح اشعار سے بھی۔ یہ بھی ایک فلسفیانہ تناسب ہے جو علمائے فن نے قایم کیا ہی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہی کہ مصوری کی نقاشی اور موسیقی کا تلذذ روحی دونون اوصاف شاعری مین موجود پائے جاتے ہین دیکھو! خیال جو خود بھی مصور ہی اُس نے شاعرانہ قلم سے **عالم خیال** مین وہ نقاشیان کی ہین کہ عورت اور مرد کے محسوسات فطری اور جذبات دلی تکدیرون کے لباس مین پڑھنے والے کے سامنے آجاتے ہیں، اور اُن سے حسِ باطنی کو ویسا ہی تلذذ روحی حاصل ہوتا ہی جیسا موسیقی سے۔

شاعری کی بحث مین اشعار کے قوی الاثر ہونے کی نسبت **کارلائل** کا یہ قول بہت صحیح ہی کہ اگر خیالات کا اظہار سچے پیرایہ میں نہیں ہوتا تو اشعار کا اثر دیر تک نہیں قائم رہتا۔ مین سچے پیرائے کی شرح یہ کرتا ہون کہ اس تعریف کا انحصار کچھ چشم دید حالت پہ نہیں ہی بلکہ ہر ایسا بیان جو فطرت کے سانچے میں ڈھل جائے، با اثر اور دیرپا ضرور ہوگا۔ **عالم خیال** کے چوتھے رُخ مین اظہار شکر رنجی کے لیے عورت کی لفریب اداؤں کا جو نقشہ کھینچا گیا ہی وہ چشم دید نہیں ہی، مگر ایسا ہی کہ گویا آنکھون کے سامنے سچی اداؤن کا دریا لہرین لے رہا ہی۔ اسی دلچسپی سے اس نظم کا اثر دل سے ایسا لپٹ جاتا ہی کہ ہٹائے نہیں ہٹتا۔

عالمِ خیال کے چار رُخ ہیں، چار رِیویو اس تفصیل سے نکلے ہیں:-

(۱) پہلے رُخ پر مسٹر مشیر حسین قدوائی بیرسٹرایٹ لا کا۔

(۲) دوسرے رُخ پر مسٹر محمد سلیمان بیرسٹرایٹ لا کا۔

(۳) تیسرے رُخ پر سیّد مقصود علی آسیوتی کا۔

(۴) چوتھے رُخ پر سیّد شبیر حسن مجسٹریٹ بھوپال کا۔

انگریزی علم ادب کے اعتبار سے میں دونوں قابل بیرسٹروں کی محققانہ نگاہ کو مغربی شاعری کی دنیا میں بہت وسیع پاتا ہوں اور اُردو کے اعتبار سے بزم سخن فہمی میں چاروں برابر کی کرسیوں پر نظر آرہے ہیں۔

پہلا رُخ ہندوستان کی ایک ایسی جوان، مگر دل شکستہ، عورت کے قلبی محسوسات اور باطنی خیالات کا مجموعہ ہے، جس کا شوہر پردیس میں ہے، اور اُس کی یاد میں محو، اپنے دل سے باتیں کر رہی ہے۔

بعض ناواقف جو انسانی فطرت کا مذاق نہیں رکھتے، وہ حیات انسانی کے فلسفہ کو نہیں سمجھ سکتے، اور اسکو نہیں سمجھ سکتے تو جذبات قلبی تک ان کی قوت مدرکہ کی رسائی معلوم! انکی نظر فہم کی دنیا میں دل اور مزاز کا فرق نہ دیکھ سکے تو تعجب نہ کرنا چاہیئے انکا ہمزبان صرف وہ شخص ہو سکتا ہے جو بصارت کے نہونے سے دن کو دن اور رات کو رات نہ سمجھ سکے۔ حضرت قدوائی بیرسٹر نے اپنے ریویو میں، فطرت انسانی پر نہایت قابلیت کے ساتھ فلسفانہ بحث کرتے کرتے ایسے ہی بیناؤں کی نسبت یہ فقرہ نہایت معقول تحریر فرمایا ہے کہ وہ انسانی عالمِ خیال کے فلسفہ سے نابلد محض ہیں۔

ان نظموں کے جسموں میں فطرت انسانی کا فلسفہ روح بنکے پھیلا ہوا ہے۔ چنانچہ

بعد خیال بیرسٹر حضرت قدوائی نے اپنے ریویو میں نظم کے تسلسل کو دکھاتے ہوئے اخلاق اور معاشرت کے فلسفیانہ خیالات کو ایک دوسرے کے بعد سلسلۂ بیان میں اسطرح دکھایا ہے جسطرح کوئی موتیوں کو ایک دھاگے میں پروکے لڑی کو آنکھوں کے سامنے رکھدے اور پھر مسٹر محمد سلیمان نے بھی اپنے ریویو میں جابجا فطرت انسانی کے فلسفہ پر مناسب اور معقول بحث کی ہے۔ یہ دونوں جواہر نگار تمغے نظموں کے چمکانے کو کافی ہیں۔ دونوں قابل بیرسٹر علم ادب کے وسیع میدانوں میں جستجو اور تحقیق کی نگاہوں کو دوڑا کے اس امر پر اتفاق کرچکے ہیں کہ اردو درکنار یورپ کی زبانوں میں عالم خیال کی سی دلفریب اور مسلسل نظمیں جنہیں فطرت انسانی کے جذبات بھرے ہوں کہیں نہیں ہیں۔ یہ فیصلہ صحیح ہے۔ شکسپیر نے جذبات کے سچے نقشے کھینچے ہیں۔ لیکن نہ ایسے مسلسل اور نہ عورت اور مرد کے پاکبازانہ برتاؤ در حصر محبت کے ساتھ۔ حضرت شوق قدوائی کے کمال سخنوری پر مسٹر محمد سلیمان کا یہ فقرہ موتیوں میں تولنے کے قابل ہے کہ مرد کا قلم عورت کا دل بن کر بول رہا ہے۔ اس سے زیادہ کمال فن اور قدرت کمال کی بلیغ تعریف نہیں ہوسکتی۔

فطرت انسانی کا فلسفہ ایسا نازک ہے کہ اس کا راستہ چلنے میں بغیر کافی علم اور ذاتی تجربہ کے اگر لوگ غلط فہمی کے خارزار میں الجھ جائیں تو کچھ تعجب نہ کرنا چاہیے اگر حضرت قدوائی بیرسٹر نے یورپ اور ایشیا کی عورتوں کا فلسفیانہ موازنہ کرکے ثابت نہ کردیا ہوتا کہ میزان فطرت میں دونوں ملکوں کی عورتوں کے خیالات انسانی کا وزن برابر ہے تو شاید بعض لوگ عالم خیال کو دیکھکر فطرت انسانی کے سیدھے راستے سے بہک جاتے پر اخیر فطرت انسانی ایک ہی سی ہے۔ اگر سوسائٹی کا اثر طرز معاشرت میں فرق

کردے تو وہ فطرت کا اختلاف نہیں ہے بلکہ تعلیم، تمدن اور ترکیب بود و باش نے دونوں کی رفتار زندگی کو دو مختلف راہوں پر ڈال دیا۔ اس حالت کو ہم طبعی نہیں کہہ سکتے دیکھو ہندوستان کی شریف عورت، جسکو سوسائٹی کا غلبہ طرز معاشرت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے حجاب کی کوٹھری میں بند رکھتا ہے، اور جو بیوہ ہو جانے پر عقد ثانی کے خیال کو بھی بڑا گناہ سمجھتی ہے، اس کی زندگی کے سامان آسایش اور اسباب زیبایش کا دار و مدار صرف اسی شوہر پر ہے، جس نے عقد کے ذریعے سے، سوسائٹی کے ہاتھوں، اس کا استمراری پٹا حاصل کر لیا۔ ایسی پاکباز عورت کے جذبات قلبی اور خیالات دلی جسقدر اپنے شوہر کی محبت کے ساتھ وابستہ ہیں اسی قدر ایسے ملک کی عورت کے نہیں ہو سکتے جہاں کی سوسائٹی عورت کو شوہروں کی ورق گردانی میں آزادی دیے ہوئے ہے۔

باطنی وسوسے اور داخلی خیالات خواہ وہ کسی نوعیت کے ہوں، مردوں اور عورتوں کے دلوں پر ایک ہی قوت کے ساتھ قبضہ کیے ہوئے ہیں۔ انکی روک ٹوک کے لیے قانون فطرت نے چوبدار نہیں قائم کر رکھا ہے۔ شاید یہ کلیہ بلا استثنا ہو اور اس کی شہادت ہر انسان کا قلب خود ہی پیش کر دے۔

پہلے تیسرے اور چوتھے ریویو میں سخن سنج محققوں نے اردو شاعری پر بھی مختصر گر معقول بحث کی ہے، اور اسی لپیٹ میں ایشیا کی عام شاعری بھی آگئی ہے۔ جہاں تک میں واقف ہوں، یہ کہہ سکتا ہوں کہ سنسکرت میں کالی داس اور بھاشا میں تلسی داس نے فطرتی جذبات کے دکھلانے میں بارد سے کام لیا ہے۔ یہ دعویٰ ایسا نہیں سمجھنے والے کو انکار ہو سکے۔ اردو میں بھی میر انیس کے مرثیے نظر

جذبات دلکش کی گفتگوؤں سے بھرے ہوے ہیں، لیکن ان سبھوں کی تصنیفات کے متعلق بھی میرے دعوے پر یہی فیصلہ صادر ہو سکتا ہے جو قابل ریورنڈ دن اپنے ریویو میں شکسپیر کی نظموں کے متعلق صادر کیا ہے۔ اُس فیصلے کے ناطق ہونے میں کچھ کلام نہیں، اس لیے کہ عالم خیال کی سی مسلسل نظم کوئی نہیں ہے، جس میں اخلاق اور معاشرت کو آغوش میں لیے ہوے پاکباز عورت اور نیک سرشت مرد کے قلبی خیالات اور فطری جذبات ایک دوسرے کے بعد یوں نظر آئیں جس طرح بارش کے پانی کی بوندیں سلسلے کے ساتھ ٹپک رہی ہوں۔

اب عربی کی شاعری کو دیکھیے کہ اسکی قدیم شاعری میں فطرت کا مذاق بھی ہے اور سلسلہ بھی، اگرچہ نازک خیالیاں اس میں کم ہیں۔ عربی کے قدیم شعرا نے مناظر کو نہایت خوبی اور تسلسل کے ساتھ دکھایا ہے، مگر اُن کے مناظر کا دائرہ ملک عرب کے ریگستان اور کوہستان سے تجاوز نہ کر سکا، اور قدیم شاعری اُسی تنگ دائرہ میں سمٹی رہی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اُن شعرا کی نگاہیں دوسرے ملکوں کی چیزوں سے ناآشنا تھیں۔

میں نے ابھی کہا ہے کہ عربی کی قدیم شاعری میں نازک خیالی کم ہے اور مناظر بہت۔ لیکن جو نازک ہے، وہ بہت ہی لطیف اور دلفریب ہے۔ مثلاً امرا القیس کے قصیدے کا ایک شعر لکھتا ہوں، جس کی نازک خیالی اور فصاحت ایسی پر لطافت ہے کہ پڑھنے والے پر وجد کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ یہ قصیدہ سبعۂ معلقہ کا ہے اور اس میں افصح البیان شاعر نے اپنی معشوقہ کی حالتوں کا نقشہ سلسلے کے ساتھ کھینچا ہے۔ مناظر کا تسلسل ربط کے ساتھ خود اس لاجواب قصیدے کا ایک لطف ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

خَرَجْتُ بِهَا تَمْشِي تَجُرُّ وَرَاءَنَا ... عَلَى أَثَرَيْنَا ذَيْلَ مِرْطٍ مُرَحَّلِ

معنی یہ ہیں کہ "میں اُس (معشوقہ) کو باہر لایا، اور وہ ہم دونوں کے (یعنی اپنے اور میرے) نقشِ پا پر اپنی رداے نقش کے دامن کو کھینچتی ہوئی چلتی تھی"۔ لطیف گو شاعر نے خیال کی نزاکت اور بیان کی نفاست کے ساتھ یہ بات دکھائی ہے کہ معشوقہ کس لربانہ انداز سے پاؤں کے نشانات کو مٹا مٹا کے راز کو چھپا رہی تھی۔

عرب کی قدیم شاعری نے آخر پلٹا کھایا اور اسکی سرزمین پر متنبی ایسے بلند پرواز شعرا پیدا ہوئے جنکی نگاہیں مناظر سے گذر کے نازک خیالیوں کے ساتھ استعارات اور تشبیہات کی صورتوں کو عرش سے کھینچ کے صفحوں کے میدانوں میں لانے لگیں۔ خیالات کی نزاکت اور مضامین کی بلندی تو قبضے میں آئی لیکن فطرتی مناظر کی قلم و ہاتھوں سے نکل گئی اور محالاتِ عقلی نے نظموں میں جگہ حاصل کر لی۔ دیکھو متنبی کہتا ہے ؎

نیا یتما قدم سعیت الی العلی ۔ ادم الھلال لاخمصیک حذاء

معنی یہ ہیں کہ اے (ممدوح) تو کن پاؤں سے بلندی پر رسا ہوا کہ ہلال کی جلد بدن تیرے قدموں کی پاپوش ہو گئی ہے"۔ اب دونوں اشعار کا موازنہ کر کے مذاقِ سخن کے تغیر کو دیکھیے۔ متنبی کا ممدوح ہارون تھا۔ اس وقت کے علمی جوش اور تعلی پسند طبایع نے شاعری کی قلبیت کو اپنے رنگ پر کھینچ لیا، اور استعارات دور از واقعہ عقل کے دائرے سے متجاوز ہو کے فہم کو چکر میں ڈالنے لگے۔

میں نے تسلیم کیا ہے کہ عربی کی قدیم شاعری میں سلسلۂ بیان موجود ہے بیشک ہے۔ مگر ہندوستان کی سی دلفریب ادائیں عرب میں کہاں۔ ان اداؤں کے تسلسل نے جو لطافتیں عالمِ خیال کی نظموں میں پیدا کی ہیں اور جیسے فطرت کے نقشے انھیں کھینچے ہوئے ہیں اُن کی نازک خیالیاں ایسے جذباتِ انسانی کے ساتھ کہیں اور نہیں ملتیں

امراء القیس کی مسلسل نظم سب دیکھ جائیے۔ چوٹی کا شعر بس ایک ہی ہے جو مثالاً پیش کیا گیا ہے اور اشعار مناظر کے ہیں مگر وہی ملک عرب کے مناظر۔ فصاحت کا یہ پایہ معلقہ سے خود اپنی بلندی کی شان دکھا رہا ہے۔ نظم ایسی لاجواب کہ خانۂ کعبہ پر جواب کی طلب میں آویزاں کی گئی اور کسی سے جواب نہ ہو سکا لیکن ہم لوگوں کا مذاق کچھ ہندوستان کی دلفریبیوں اور کچھ انگریزی علم ادب کے پھیلنے سے فطرت کے جذبات انسانی کو ڈھونڈھتا ہے۔ یہ خوبیاں اگر نظر آئیں تو قوت بیان، لطافت زبان اور قدرت کلام کے ساتھ عالم خیال کی دلکش نظموں کے سلسلے میں نظر آئیں۔

فارسی کی شاعری جس نے اردو کی شاعری کو پیدا کر کے گود میں پالا ہے اس کی نسبت لکھوں تو کیا لکھوں۔ اس میں عورت اور مرد کے فطری جذبات اور قلبی محسوسات کا پتا نہیں۔ کم کم ایسے خیالات جو واقعات ذہنی اور واردات قلبی سے متعلق ہوں غزلوں کے متفرق اشعار میں پائے جاتے ہیں اور وہ بھی بیشتر امرد پرستی کے ساتھ۔ امرد پرستی ایک ایسی شرمناک حالت ہے جس کے خیال سے غیرت انسانی اور حمیت فطری یہ دونوں بیحیائی کے نظارے سے حیا کے پسینے میں ڈوبی جاتی ہیں۔ اردو شاعری کی سرزمین پر بھی یہ بلا فارسی شاعری سے نازل ہوئی اور اس نے دامان سخن کو گندے پانی سے آلودہ کر دیا ہے۔ کاش! ہندوستان کی خاک غیرتناک پر جنم لے کے اردو شاعری نے ہندی کی با جذبات اور پرتاثیر شاعری کا رنگ پکڑا ہوتا۔ یہ کایا پلٹ اب بھی ممکن ہے بشرطیکہ ہمارے مغز سخن سنج اپنے خیالات کی کروٹ بدل دیں۔

بہر نوع جو کچھ لکھنا تھا لکھ چکا۔ اب مختصر الفاظ کے ساتھ اصل نظموں پر دماغ اور قلم کو متوجہ کرتا ہوں تا کہ وہ جذبات قلبی اور واقعات حقیقی جن کے سلسلۂ بیان میں حضرت لسان الملک

نے لطیف الفاظ کے بے بہا موتی پروئے ہیں، ان موتیوں کی چمک سحر کے جوہریوں
کو دکھا دی جائے۔ پہلے رُخ کا شعر ہے ؎

ساون اور یہ گھٹا، میں کہیں ہوں وہ کہیں ۔۔۔ حسن اُنھیں کا ہے اور دیکھتے نہیں

ہندوستان کی برسات اور اس میں خاص طور پر ساون کے مہینے کو یہاں کی عورتوں کے قلبی احساسات اور فطری جذبات سے خاص تعلق ہے۔ اس شعر میں یہ ٹکڑا "حسن اُنھیں کا ہے" دل کو کھینچے لیتا ہے۔ عورت نے کس خوبصورتی سے اپنے حسن کا ذکر کرکے اپنی پاکبازی کو ثابت کیا ہے۔ "اُنھیں" کے لفظ سے سمجھا، کس قدر لطیف اور پُراثر بلاغت ہے ؎

کس سے ناز اب کروں میرے ناز اٹھائے کون ۔۔۔ روٹھنے کو روٹھ دوں لیکن اب منائے کون
کس سے اپنے دل کا بھید سب میں کھل کے کہہ سکوں ۔۔۔ کس کے ساتھ بے جھجک اب میں مل کے رہ سکوں

پہلے شعر کے دوسرے مصرع میں "اب منائے کون" دوسرے شعر میں "دل کے بھید کا کھل کے کہنا اور بے جھجک مل کے رہنا" یہ فصیح الفاظ بلیغ اشارات سے طرزِ معاشرت کی لطافتوں کو کیسے کیسے دلآویز کنایوں سے ظاہر کر رہے ہیں۔

دوسرے رُخ کا شعر ؎

خدا سے پڑی جگر پہ چوٹ زخم اُبھرے ہوئے ہیں آج ۔۔۔ تم سے ہزار ہا گلے دل میں لگے ہوئے ہیں آج

دوسرے مصرع کی لطافت قلم کی زبان سے ادا نہیں ہو سکتی۔ اللہ ری بلاغت اور پھر سہل ممتنع بیان کے ساتھ!! ؎

تم جو ستم کرو تو کیوں دل مرا بے قرار ہو ۔۔۔ میں نہیں چاہتی کہ تم میرے گناہگار ہو
کیا میں خدا کے سامنے تم کو سزا دلاؤں گی ۔۔۔ اپنی وفا کے نام کو خاک میں کیوں ملاؤں گی

پہلے شعر کا دوسرا مصرع کس تیور کا ہے، اور کیسے دلکش پیرایہ میں حسنِ بیان کا نمونہ ظاہر

دوسرا شعر پہلے شعر کی شرح کر رہا ہے اور "رونا" جو اغلاق انسانی کا جوہر لطیف ہے اُس کو کس خوبی سے دکھا رہا ہے۔

تصویر کے متعلق چند اشعار کے بعد کیا لطیف نتیجہ ذیل کے قطعہ سے نکالا گیا ہے جو خیالات فطری کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے ؎

تم نظر آہی جاتے ہو اے وہ خیال ہی سہی
کچھ نہیں تو شبیہ سے صرف جمال ہی سہی

"اس" اور "کچھ نہیں" کے مطالب زبان کی فصاحت، بیان کی لطافت اور تشبیہات معنوی کی بلاغت کے ساتھ جو کچھ دل سے کہہ رہے ہیں دل ہی جانتا ہے ؎

آؤ جو تم تو رخ پہ میں آنچل اُٹھا کے ڈال لوں
اسمیں تو کچھ حرج نہیں جھانک کے دیکھ بھال لوں

تیسرے رُخ میں جو قوت شاعری ہے، اُس کی داد نہیں دی جا سکتی۔ دوسرے جہان کی تلاش جہاں کچھ غم ہی نہ ہو اور دونوں بے کھٹکے رہ سکیں، قیامت کا جوش جذبات پیدا کر رہا ہے۔ زبان ہے کہ نظم میں نثر کا لطف دے رہی ہے، ادائیں ہیں کہ کلیجے میں چٹکیاں لے رہی ہیں، واقعات ہیں کہ ہوبہو تصویر کو آنکھوں کے سامنے لا رہے ہیں۔ اللہ ری تخیل کی رسائی! فطری اداؤں کو عرش معلی پر بھی نہیں پہنچنے دیتی! کھینچ لاتی ہے۔ پوری نظم لاجواب ہے، مگر میں ایک شعر لکھتا ہوں ؎

قسم ہے بیرخی کی جسکو پھیر کے رُخ عیاں کرے
قسم ہے خامشی کی جب نگاہ کچھ بیاں کرے

یہ شاعری کیا ہے، سحر کاری ہے۔ نگاہ کا بیان کرنا وہ مزہ دے رہا ہے کہ دل سیر ہوتا

ہی نہیں۔ پوری نظم اسی رنگ کی ہی۔

چوتھا رُخ اس قدر اداؤں سے بھرا ہوا ہی کہ اگر اُس پر ریویو لکھنے کا ارادہ کیا جائے تو تمام نظم لکھنی پڑے اور ایک ایک شعر صفحے کے صفحے لے۔ عورت شوہر کی آمد آمد کے خیال سے کیا کہتی ہی ؎

کل مرے سر میں تھا جنون آج ہی کچھ غرور سا
کل مرے دل میں تھا ملال آج ہی کچھ سرور سا

کیا غرور ہی اور کیا سرور! پوری نظم موتیوں سے بھی زیادہ گران بہا ہی۔ کہاں تک تعریف کی جائے اور کس کس شعر کی داد دی جائے۔ سلاست کی شہادت خود نظمیں ہی دے رہی ہیں۔ اس لیے کہ چاروں رخوں میں اضافت کا وجود نہیں۔ سیدھی سادھی اردو ہی۔ اسکی وجہ یہ ہی کہ عورتوں کی زبان میں اضافت تسلیم نہیں کیگئی اور یہ نظمیں یا عورت کی جانب سے ہیں یا عورت کی جانب۔

اب میں مقدمہ ختم کرتا ہوں اور دعا دیتا ہوں کہ خدا حضرت شیخ تق قدوائی کی عمر میں برکت دے۔ جنکے دماغ نے اُردو کے خزانے میں انمول جواہر بھر دیے ہیں۔

پیارے لال شاکر (میرٹھی)

پہلا رُخ

ایک عورت کا شوہر پردیس میں ہے، وہ اُس کی
یاد میں محو اپنے خیال سے باتیں کر رہی ہے:-

آج او مرے خیال تُو کہاں کہاں گیا
تو نے رُخ جدھر کیا، دل کا رُخ اُدھر پھرا
جب سے وہ جدا ہوئے تب سے اُنکا دھیان ہے
جا کے پھر مری خبر کیوں نہ لی ستم کیا
مجھ سے کیوں خفا ہیں وہ پھر گئی نظر تو کیوں
میرے رُخ سے دور ہے وہ نگاہ اب کہاں
میں وہی ہوں یا نہیں، وہ وہی ہیں یا نہیں
ساون اور یہ گھٹا، میں کہیں ہوں وہ کہیں
[illegible] کے ساتھ تُجھ نے برباد کیا

دل بھی تیرے ساتھ تھا، تُو جہاں جہاں گیا
تو پھرا جو پاس سے، دل بھر آیا، سر پھرا
اُن سے مجھکو اُنس ہے، اُن میں میری جان ہے
میری یاد میری چاہ، کیوں نہ کی ستم کیا
دل نہیں اُدھر تو کیوں، رُخ نہیں اِدھر تو کیوں
اُن کا پیار اب کہاں، اُنکی چاہ اب کہاں
اُن کے دل کی حالتیں وہ رہی ہیں یا نہیں
حُسن یہ انھیں کا ہے، وہ دیکھتے نہیں
دل اب ہے وہ جہاں [illegible] کیا

پینگ آئیں جائیں گے، اور بہلے گا دل مرا — مل کے کیا میں گاؤں گی کیا ملے گا دل مرا
کھل پڑ گئی خود بخود، چاہ ہر صدا کے ساتھ — منھ سے باہر آئے گی آہ ہر صدا کے ساتھ
کرتی ہیں جگر کا خون، ہمسنیں جو ساتھ ہیں — وہ لگا رہی ہیں آگ، جنکے لال ہاتھ ہیں
اور بھی لگا دی آگ، ساونی نے پھول کر — پیڑ پر مری نظر، پھر پڑے نہ بھول کر
یہ شباب کی امنگ، اب کسے دکھاؤں میں — رخ کا لال لال رنگ اب کسے دکھاؤں میں
لال یہ کہاں رہا، زرد ہو کے رہ گیا — رنگ اب کہاں ہے، رنگ گرد ہو کے رہ گیا
جسم وہ نہیں رہا، اسمیں کس نہیں ہے اب — ہونٹھ وہ نہیں رہے، ان میں رس نہیں ہے اب
جونک بن کے رات دن چوستا ہے غم لہو — زرد ہو گیا بدن، رہ گیا ہے کم لہو
کاجل اور مسی کا لطف جب نہیں رہی تو کیا — آئینہ میں خود ہی میں دیکھتی رہی تو کیا
آرسی کو پھینک دوں منھ لگا کے کیا کروں — بن سنور کے کیا کروں، پان کھا کے کیا کروں
زیور اب بہت چکی، جی سے اب اتر چکا — جائے بھاڑ میں سنگار، دل اب اس سے بھر چکا
کس سے ناز اب کروں میرے ناز اٹھائے کون — روٹھنے کو روٹھ لوں لیکن اب منائے کون
کس سے اپنے دل کا بھید اب میں کھل کے کہہ سکوں — اُسکے ساتھ بے جھجک اب میں ملکے رہ سکوں
مانگتی جو کوئی چیز اُن سے مسکرا کے میں — ہنستے اسکو دیکھتے وہ، ہنستی اسکو پا کے میں
دل میں اب لگی ہے آگ، دل گئی وہ لے گئے — اب ہنسی کا منھ کہاں، سب ہنسی وہ لے گئے
یا تو مجھ سے چھین لے اُن کی یاد اے خدا — یا تو اُن کو لا کے کر مجھکو شاد اے خدا
یا تو کر سٹرن مجھے، ہوش میں نہ آؤں میں — یا تو اپنے ہوش میں، اُن کو دیکھ پاؤں میں
کام کچھ نہ کر سکا، او خیال جا کے تو — مجھ سے کچھ نہ کہہ سکا، اُن کا حال آ کے تو
تو نے میرے دل کا درد اُن سے کچھ کہا بھی تھا — اُن سے مل کے تجھکو یاد میرا غم رہا بھی تھا

کیا میں تجھسے پوچھ اُٹھی تو پیامبر نہیں — تجھ میں گو رسائی ہی، گفتگو مگر نہیں

گفتگو نہ ہو تو خیر، دل پہ تیرا بس تو ہی — دل تری دلکو دے خبر، ہاں یہ دسترس تو ہی

پھیرکے اُنکے دل کے گرد، گھیرنا ضرور تھا — اُن کے دل کو میری سمت، پھیرنا ضرور تھا

اُنکے دل میں کرکے راہ، کیوں نہ اسمیں کی جگہ — تو تو تھا مرا خیال، کیوں نہ لی مری جگہ

اُنکے دل میں میری جا، شاید اب بنیں رہی — چھن گئی مری جگہ، اور میں یہیں رہی

شاید اور کوئی شکل، کھپ گئی نگاہ میں — کوئی روک ہو گئی اس طرف کی راہ میں

توبہ! ہوکے بدگمان میں نے کی خطا ضرور — چاہے وہ کہیں رہیں، اُن میں ہی وفا ضرور

کاش اد خیال تو اب نہ آسکے میرے پاس — کاش اُن کی یاد تو، اب نہ لائے میرے پاس

یا مری نظر کو لے، اور اُن کے پاس جا — مجھ سے تو جگر کو لے اور اُن کے پاس جا

دیکھ لے نظر اُنھیں، دیکھ لیں جگر کو وہ — آئے مجھپہ کچھ ترس، آئیں اپنے گھر کو وہ

گھر کا نام خاک لوں، بن کے یہ بگڑ چکا — اس پہ اوس پڑ چکی، مٹ چکا، اُجڑ چکا

چھت ٹپکتی ہی، تو اُف، کون اُسکی لے خبر — رو رہی ہوں میں اِدھر، رو رہی ہی وہ اُدھر

رنگ خاک میں ملا، خاک رنگ پر چڑھی — رنگ اُسی قدر گھٹا، خاک جسقدر بڑھی

میں ہی خاک میں ملی، گھر کی فکر خاک ہو — اُن کا ذکر چھوڑ کر، گھر کا ذکر خاک ہو

وہ پلنگ اُنھیں کا ہی، اُس پہ اب ہی تو کون — خود ہی آکے وہ رہیں، جاکے یہ کہے تو کون

اَٹ گیا ہی خاک میں، گرد ہو گیا پلنگ — آئیں وہ تو مجھ سے لیں اور اک نیا پلنگ

ذکر کیا پلنگ کا، یہ ذرا سی چیز ہے — مجھ کو اپنی جان تک اُن سے کب عزیز ہے

راہ اُن کی روک لوں اب جو اُن کو پاؤں میں — پتلیوں میں دوں جگہ، سامنے بٹھاؤں میں

بال اپنے کھول کر، اُن پہ جال ڈال دوں — جب ذرا قدم لیں، اُن پہ بال ڈال دوں

ایک اک بولتا ہے کون، درد جسکے دل میں ہے — گرم آتی ہے ہوا، آگ اسکے دل میں ہے
کوئی آ کے پیڑ پر کہہ رہا ہے "پی کہاں" — پی کہیں ہیں، میں کہیں، کیا کہوں ہے جی کہاں
جی رہی ہوں میں، مگر جی مر رہا ہے پی کے ساتھ — پاس ہوں کہ دور ہوں، ہیں وہ میرے جی کے ساتھ
آئی اُن کی سمت سے، اور بو بھی لائی تو — آج ادھر ہوا ضرور، اُن کو چھو کے آئی تو
اُن سے مل کے آئی ہے، آ تری بلائیں لوں — تو نے خوش کیا مجھے، لے، تجھے دعائیں دوں
جا کے اُن کے پاس پھر، تو جو اُن کو لا سکے — دردِ دل کا جا سکے، چین دل کو آ سکے
او دل اور کیا کروں، تیرے درد کا علاج — خط میں لکھ کے بھیج دوں، تجھ کو اُنکے پاس آج
شرط ہے کہ میرے پاس پھر پلٹ کے آئے تو — اپنے خون کی قسم دے کے اُن کو لائے تو

یوں نہ آئیں تو میں لوں شوق کی کشش سے کام
کھینچ کے آئیں اس طرح، تو نہ لیں اُدھر کا نام

پہلے رُخ پر ایک نظر

تصویر سے عالمِ خیال کا دکھانا جسقدر مشکل ہے اس سے بدرجہا دشوار الفاظ میں عالمِ خیال کی نقاشی کرنا ہے۔ ایسی مرقع نگاری نہایت عالی پایہ کا نثار یا شاعر چاہتی ہے۔ نہ صرف اُردو بلکہ یورپ کی زبانیں بھی اس مضمون میں ایسی بے نظیر اور مسلسل نظم سے خالی ہیں جیسی کہ **عالمِ خیال** کی نظم ہے۔ بھاشا میں اگر ہوں تو مجھے خبر نہیں لیکن اردو زبان میں ایسی نظم اس سے پہلے نہ تھی۔

شاعری کے لیے اُردو زبان شاعروں کی زبان (یعنی فارسی) کے بعد مرتبہ رکھتی ہے۔ الفاظ میں، محاورات میں، بندش میں وہ ایک شاعر کے لیے محبوب زبان ہے۔

اُس کے شعراء نے فطرت کے مناظر یا انسانی جذبات دکھانے کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی تو یہ اُس کا قصور نہیں بلکہ اُس کے شعراء کا، اور اُن سے بھی زیادہ اُس سوسائٹی کا ہے جس میں اُردو زبان پھولی پھلی۔

یہ اعتراض اردو زبان پر نہیں ہو سکتا کہ اس کا ادب خیالات نفیس اور جذبات فطری سے مالا مال نہیں۔ اُردو شاعر بھی بہت کچھ اس الزام سے اسلیے بری ہیں کہ باوجود سوسائٹی کے دوسرے رنگ پر ہونے کے انھوں نے فطری مناظر و طبعی جذبات دکھائے ہیں میر کی شاعری اوّل اوّل میر انیس کے مرثیے اور قلق کی مثنوی آخری دور میں ایسے مناظر و جذبات سے مملو ہیں میری رائے میں خیالات کی بلندی میں دنیا کا کوئی شاعر خواہ وہ یورپ کا ہو یا ایشیا کا اسد اللہ خان غالب سے اونچا نہیں جا سکا، یا کوئی شاعر سوا نادر الوجود حافظ شیرازی کے لطیف خیالات کو زبان سے آتش سے زیادہ خوبی سے ہم آہنگ نہیں کر سکا۔

زمانہ کے رنگ کے ساتھ اُردو شاعری نے طرز بدلا تو گو اس نے نئے طرز کے ساتھ نہایت رکیک "ملک الشعراء" اول اول پیدا کیے، مگر تھوڑے ہی دنوں میں جناب شوق کے سے اُستاد بھی نکالے۔ کچھ شبہ نہیں کہ ہندوستان کے کل زندہ شعراء میں استادی کا مرتبہ اگر کسی کو حاصل ہے تو اسی نادر الکلام شاعر کو جس کی بے نظیر نظم "لا حسن"، دنیائے شاعری کو محو کر چکی تھی، یا اب اس چھوٹی سی نظم "عالم خیال" نے نقادوں کے دلوں میں ولولہ ڈال دیا۔

• نظم شعرائے اردو کے دو نقاد تھے ایک منشی سجاد حسین صاحب اودھ پنچ دوسرے منشی جوالا پرشاد صاحب برق۔ حضرت شوق نے مدتوں طرحیں اور ان کے سرٹیفکیٹوں کے بعد میرے

خیال ہیں کسی دوسرے سرٹیفکیٹ کی محتاجی نہیں ہوسکتی۔

فطرتِ انسانی سے باخبر شاعر نے عالمِ خیال کی نظم کی بحر بھی ومناسب مضمون رکھی ہے۔ ایک عورت کے خیالات جس عمدگی سے جیسے میں اس بحر میں ادا ہوئے ہیں وہ اپنی جگہ پر خود ہی شاعر کی استادی کے ثبوت ہیں۔ ہر نکتہ چیں کا فرض ہے کہ وہ کسی نظم یا نثر پر نکتہ چینی کرتے وقت مضمون اور موقع کا بھی خیال رکھے، ورنہ اُس کا اعتراض خود اُسی کو قابلِ مضحکہ بنا دیگا مثلاً عالمِ خیال کا یہ تیسرا شعر لیجئے ۔

جب سے وہ جدا ہوئے تب سے اُن کا دھیان ہے
اُن سے مجھکو اُنس ہے اُن میں میری جان ہے

کسی مرد کے منھ سے یہی پاکیزہ شعر دو کوڑی کا ہو جائے گا، جب، تب، وہ، دھیان، جان یہ سب اُسی وقت تک اس شعر کی کشش کا باعث ہیں جب تک کہ وہ ایک عورت کے منھ سے نکلے ہوئے سمجھے جائیں۔ دوسرا مصرع پورا ہی بیموقع ہو جائے اگر ایک عورت کی طرف سے نہ کہا گیا ہو۔ اول شعر کو اسکے بعد کے شعر سے

جا کے پھر مری خبر، کیوں نہ لی ستم کیا
میری یاد میری چاہ کیوں نہ کی ستم کیا

کے ساتھ پڑھو، اور تب اول شعر کا دوسرا مصرع نہ صرف ایک خاص مزہ دے گا۔ بلکہ عورتوں کی ایک فطری عادت کو ظاہر کرے گا۔

عورتیں کسی شکایت کے وقت اپنی جانب سے محبت کا اظہار ضرور کر دیتی ہیں "اے قربان جاؤں" "کیا مجھے بھول ہی گئے" ایسی طرزِ ادا، یہی خیال ہے جو اُن دو شعروں میں خوبصورتی سے ادا کیا گیا ہے۔

ابتدائی دو شعروں سے

اے خیال، تو کہاں کہاں گیا — دل بھی تیرے ساتھ تھا، تو جہاں جہاں گیا
جدھر کیا دل کا رُخ اُدھر پھرا — تو پھرا جو یاس سے دل بھر آیا سر پھرا

اس کے بعد تیسرا شعر لانا شاعر کی کمال اُستادی ظاہر کرتا ہے۔ ابتدائی دو شعروں سے یہ خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ عورت کو اپنے شوہر کا خیال صرف "آج" آیا تیسرے شعر نے اس خیال کو رفع کردیا۔ گویا وہ عورت اپنے خیال کی تنقیح کرنے "آج" بیٹھی ہے کہ "جب سے وہ جُدا ہوئے تب سے اُن کا دھیان ہے"

شروع سے پانچواں اور ساتواں شعر پھر آلودہ محبت، زود حس زود اثر عورت کے خاص خیالات ہیں جو اپنی منطق آپ ہی رکھتے ہیں، اور جن کا طریقہ استدلال عین ان کا اپنا ہوتا ہے، شوہر بیچارہ جس مجبوری سے گھر نہ آسکا ہو، مگر شوہر کی محبت میں مجنوں عورت یہی کہے گی ؎

مجھ سے کیوں خفا ہیں وہ پھر گئی نظر تو کیوں — دل نہیں اِدھر تو کیوں رُخ نہیں اِدھر تو کیوں
میں وہی ہوں یا نہیں، وہ وہی ہیں یا نہیں — اُنکے دل کی حالتیں وہ رہی ہیں یا نہیں

اشعار ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ایک فراق زدہ عورت کے دلی خیالات کو ایسی خوش اسلوبی سے ظاہر کرتے ہیں کہ دل پھڑک جاتا ہے ؎

ساتھ والیوں کے ساتھ جھولنے کو جاؤں کیا — دل وہاں ہے وہ جہاں پیدلی سکھی دُن کیا
پینگ آئیں جائینگے اور ہلے گا دل مرا — رل کے کیا میں گاؤں گی کیا ملیگا دل مرا

غضب کے درد آگیں یہ دو شعر ان میں سے ہیں ؎

کھل پڑے گی خود بخود چاہ ہر صدا کے ساتھ — مُنھ سے باہر آئے گی آہ ہر صدا کے ساتھ
کرتی ہیں جگر کا خوں ہمنشیں جو ساتھ ہیں — وہ لگا رہی ہیں آگ جن کے لال ہاتھ ہیں

ہمسنوں میں سے بعض کے مہندی لگے ہاتھ اور ساونی کے پھول دیکھ کر عورت کو اپنی نوجوانی اور اپنی خوبصورتی کا اس طرح خیال آتا ہے، مگر وہ بھی اپنے شوہر کی یاد کے ساتھ ؎

یہ شباب کی اُمنگ اب کسے دکھاؤں میں — رُخ کا لال لال رنگ اب کسے دکھاؤں میں

کچھ شبہ نہیں ہے کہ نقاش نے محو خیال کی جو تصویر کھینچی ہوگی اُس میں عورت کو نوجوان اور حسین دکھایا ہوگا۔ شاعر نے بھی کام جو الفاظ سے لینا چاہتا ہے اسکو عورت کی نوجوانی اور حسن کا دکھانا زیادہ دشوار تھا، مگر باکمال اُستاد نے کس خوبصورتی سے نقاشی کی ہے۔ یہ شعر اس مرقع کی جان ہے!

ایک حسین نوجوان عورت ہے، وہ اپنے ہمسنوں کو بناؤ سنگار دکھتی ہے، ساون کی گھٹاؤں میں ساونی کا رنگ اُسکے جوش شباب کو اُبھارتا ہے، فطرتاً اُسے اپنے حُسن پر ناز سا ہوتا ہے، اپنے گلرنگ رخساروں کا، اپنے شباب کی اُمنگ کا خیال آتا ہے، مگر بیچاری ایشیائی عورت جسکا حُسن، بناؤ سنگار، شباب جو کچھ ہے اپنے شوہر اور صرف اپنے شوہر ہی کے لیے ہے، اور وہ شوہر کوسوں کے فاصلہ پر ہے، تو گو اُس حُسن اور شباب کا فطری خیال تو نہیں رُکتا مگر اسکے ساتھ ساتھ یہ پُریاس خیال بھی آہی جاتا ہے "اب کسے دکھاؤں میں"، دوسری حسین چیزوں کے دیکھنے یا دوسرے کے سنائی ہاتھوں کے نظارے سے اپنے پُر تمکین حُسن کا خیال عورت کو آیا مگر پھر فراق شوہر نے بدلی ہوئی صورت بھی اس طرح یاد آئی ؎

لال یہ کہاں رہا زرد ہو کے رہ گیا — رنگ اب کہاں ہے رنگ گرد ہو کے رہ گیا

جسم وہ نہیں رہا اُس میں کس نہیں ہے اب — ہونٹھ وہ نہیں رہے ان میں رس نہیں ہے اب

خونناک بنکے رات دن چوستا ہے غم لہو　　زرد ہو گیا بدن، رہ گیا ہے کم لہو

ان اشعار کے ذریعہ سے شاعر نے یہ بات بھی دکھا دی کہ عورت خوش رنگ تھی، رعنائی جسم بھی رکھتی تھی، باریک رسیلے ہونٹھ تھے، تندرست و توانا تھی فطرت کا یہ تقاضا بھی نظر انداز نہ کیا کہ دوسروں کے مقابلہ سے اپنے کمال کا خیال ضرور آتا ہے اور اس عورت کی حالت فراق سے عام ہمدردی کو بھی دو چند کر دیا، اسلیے کہ یہ اشعار ظاہر کرتے ہیں کہ عورت کو نہ صرف اپنے شوہر سے جدائی ہی کا درد ہے بلکہ اسکو اپنے حسن کے گھٹ جانے کا بھی احساس ہے۔ اب اس کا اندازہ ہر زود اثر دل کر سکتا ہے کہ فراقِ شوہر میں ایشیائی عورت کے قلب کی کیا حالت ہوتی ہوگی۔

بناؤ سنگار جو قدرتی حسن کے بعد کی چیزیں ہیں اسمیں اسے کیا دلچسپی ہوگی؟ زیور جو شباب اور حسن کی زینت کی چیز ہے، اس کی کیا پروا رہے گی؟ شاعر ان خیالات کو اس طرح ظاہر کرتا ہے ؎

کاجل اور مسی کا لطف جب نہیں وہی تو کیا　　آئینے میں خود ہی میں دیکھتی رہی تو کیا
آرسی کو پھینکدوں منھ لگا کے کیا کروں　　بن سنور کے کیا کروں پان کھا کے کیا کروں
زیور اب بہت چکی جی سے یہ اتر چکا　　جائے بھاڑ میں سنگار دل اب اس سے بھر چکا

ان اشعار میں علاوہ الفاظ اور بندش کی خوبیوں کے اول شعر کا دوسرا مصرع انتہائے حجاب و پارسائی بھی دکھاتا ہے۔ وہ مصرع صاف ظاہر کرتا ہے کہ عورت کے کاجل اور مسی کو سوا اس کے شوہر کے اور کوئی دیکھنے والا نہ تھا، اور اب جب شوہر دور ہے تو سوا اسکے کہ عورت خود انھیں آئینہ میں دیکھے اور کوئی دیکھ بھی نہیں سکتا۔ لیکن وہ اسقدر خود پسند نہیں ہے کہ خود اپنے دیکھنے کے لیے کاجل اور مسی لگائے۔

جو لوگ فطرت انسانی سے واقف ہیں وہی اس کا اندازہ کرسکتے ہیں کہ عورت پر کہاں تک شوہر کی جدائی کا صدمہ ہوگا، جب وہ زیور سی محبوب نسواں پیزسے. بناؤ بیٹھنی اور خود آرائی کے سے دلفریب نسوانی مشغلہ سے سیر ہوگئی۔

زیور اور بناؤ سنگار سے نفرت تو تھی ہی اُسکے دل کو یہ خیال آکر اور ستاتا ہے کہ اب اُسکا کوئی ناز بردار نہیں کوئی رازدار نہیں کوئی ایسا بھی نہیں جس سے وہ کھلکر کوئی چیز مانگ سکے، شاعر نے کس مزے سے یہ خیالات ادا کیے ہیں ؎

کس سے ناز اب کروں میرے ناز اُٹھائے کون — روٹھنے کو روٹھ لوں لیکن اب منائے کون

کس سے اپنے دل کا بھید اب میں کھل کے کہہ سکوں — کسکے ساتھ بے جھجک اب میں ہلکے رہ سکوں

مانگتی جو کوئی چیز اُن سے مسکرا کے میں — ہنستے اسکو دیکھے وہ ہنستی اسکو پاکے میں

آخر کا شعر زن و شوہر کے لیے بے اندازہ محبت کے معاملہ کو ظاہر کرتا ہے اور اُس میں وہ لفظیں "اُن" اور "وہ" ایک مخصوص حلاوت پیدا کرتی ہے انتہائی یاس اور درد کے یہ دو شعر ہیں ؎

یا تو مجھسے چھین لے اُن کی یاد، اے خدا — یا تو اُن کو لاکے کر مجھ کو شاد، اے خدا

یا تو کر سٹرن مجھے، ہوش میں نہ آؤں میں — یا تو اپنے ہوش میں اُن کو دیکھ پاؤں میں

اس حد تک آکر عورت کی طبیعت اپنے خیال سے بھی اسطرح برافروختہ ہوتی ہے ؎

کام کچھ نہ کر سکا، او خیال جا کے تو — مجھ سے کچھ نہ کہہ سکا، اُن کا حال آکے تو

تو نے میرے دل کا درد اُن سے کچھ کہا بھی تھا — اُن سے ملکے مجھ کو یاد میرا غم رہا بھی تھا

آخر کا شعر عورت کی ایک خاص کیفیت ظاہر کرتا ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ جسطرح وہ اپنے شوہر کیلئے دنیا کو فراموش کر بیٹھی اُسی طرح مبادا اسکا خیال بھی اُسکے شوہر تک پہونچکر اُسکے

کے پاس تک پہونچنے کی خوشی میں) اُس فرقت زدہ عورت کا غم بھُوا جائے۔

عورت اپنے جذبہ سے کام لینا چاہتی ہے اور کہتی ہے ؎

گفتگو نہ ہو تو خیر، دل پہ تیرا بس تو ہے | دل کو دل کی دے خبر ہاں یہ دسترس تو ہو
پھر کے اُن کے دل کے گرد گھیرنا ضرور تھا | اُن کے دل کو میری سمت پھیرنا ضرور تھا
اُن کے دل میں کر سکا کیوں نہ اُنس کی جگہ | تو تو تھا مرا خیال، کیوں نہ لی مری جگہ

ان اشعار کے بعد ایک ایشیائی عورت سے اشد یاس کے خیالات اسطرح ادا ہوئے ہیں ؎

اُن کے دل میں میری جا شاید اب نہیں رہی | چھن گئی مری جگہ، اور میں کہیں رہی
شاید اور کوئی شکل کھُپ گئی نگاہ میں | کوئی روک ہو گئی اس طرف کی راہ میں

ان اشعار میں لطافت زبان کے علاوہ ایک ایشیائی عورت کے شوہر سے ملنے کی یاس جو پُر حسرت خیال کی انتہا ہے وہ ظاہر ہوتی ہے۔

ایشیا کی عورت بہت مشکل سے اپنے شوہر سے بدگمان ہوتی ہے۔ دیوتا یا مالک جو کچھ ہوتا ہے اُس کا شوہر ہی ہوتا ہے۔ وہ لاکھ بُرائیاں رکھتا ہو مگر ایک محبتی عورت کے نزدیک وہ تمام عیوب سے پاک رہے گا؛ جسطرح وہ اپنے نفس سے مطمئن ہوتی ہے کہ کسی دوسرے کی طرف تشویش و ترغیب کیوں نہو۔ اس تشویش و ترغیب کے موقع اُسے اسقدر نہیں ملتے جسقدر یورپ کی عورتوں کو ملتے ہیں اِسلئے یہ کبھی بھُولے سے نہ دُگی، دنیا ہی وہ اپنے شوہر کے متعلق بھی قیاس کرتی ہے لیکن شوہر کی مفارقت کا سودا اس حد تک تھا کہ آخر بدگمانی کا خیال آئے بغیر نہ رہ سکا۔ مگر عارضی، فوراً ہی یہ خیال آ گیا ؎

تو یہ ہے کہ بدگمان ہونے کی خطا ضرور | چاہیں وہ کہیں رہیں اُن میں ہے وفا ضرور

اسی بات پر وہ خیال میں بھی شوہر کی وفا پر شبہ کرنے سے اس طرح بیزار ہوتی ہے ؎

کاش اُن خیال تو اب نہ آئے میرے پاس   کاش انکی یاد تو اب نہ لائے میرے پاس

آخر کا مصرعہ یہ فطری جذبہ ظاہر کرتا ہے، کہ محبوب سی محبوب چیز بھی شاق ہو جاتی ہے اگر اسی کے ساتھ کوئی دردناک خیال ملا ہوتا ہے، شوہر کی یاد عورت کو بہت محبوب تھی لیکن اگر اس یاد کے ساتھ یہ خیال بھی طاری ہو کہ وہ بیوفا نکلا جسکی کبھی بھی امید تھی تو عورت اس یاد سے بھی فطرتاً گھبرا جائے گی۔ مگر وہ گھبراہٹ بھی محض ایک لمحہ کی ہوگی اور خیال سے یہ فرمائش ہوگی کہ تو اکیلا نہ جا، بلکہ ؎

یا مری نظر کو لے اور اُن کے پاس جا   مجھ سے یا جگر کو لے اور اُنکے پاس جا

بعد کے شعر میں ایک ہی پہ تسکین نہ ہوئی، دل کی آئی پہ بدگمانی کا بھی شاید اثر تھا کہ یہ غرض ظاہر ہو ہی گئی ؎

دیکھ لے نظر انھیں دیکھ لیں جگر کو وہ   آئے تجھ پہ کچھ ترس آئیں اپنے گھر کو وہ

گھر کا خیال آتے ہی ایک ٹیس سی اُٹھتی ہے، اور وہ ایسے بیساختہ مگر پرلطف الفاظ میں ظاہر ہوتی ہے ؎

گھر کا نام خاک لوں بن کے یہ بگڑ چکا   اُس پہ اوس پڑ چکی مٹ چکا، اُجڑ چکا

چھت ٹپکتی ہے تو اُدھر، کون اس کی لے خبر   رو رہی ہوں میں اِدھر رو رہی ہے وہ اُدھر

آخر کے شعر میں اُدھر کی لفظ کا مزہ فطرت انسانی سے باخبر لوگ ہی جانتے ہیں، گھر اُجڑنے کا خیال ہر عورت کو جانگسل ہوتا ہے مگر شوہر کی جدائی کے آگے وہ بھی کچھ نہیں ؎

میں ہی خاک میں ملی گھر کی فکر خاک ہو   اُن کا ذکر چھوڑ کر، گھر کا ذکر خاک ہو

گھر سے خیال ہٹایا گیا، مگر مکان کی ہر ہر چیز تو شوہر کی یاد دلاتی ہے، دیکھیے۔ پلنگ

تو سامنے بچھا دیجیے اب عورت نے بھی دل ملنے والے خیالات سے بچنے کو رہنا
چھوڑ دیا ہے، کیا کہلا رہا ہے ؎

وہ پلنگ اُنھیں کا ہے اُس پر ابد ہے تو کون — خود ہی آ کے وہ رہیں جا کے یہ کہہ دو کون
اُٹھ گیا ہے خاک میں، گرد ہو گیا پلنگ — آئیں وہ تو مجھ سے لیں اور اک نیا پلنگ

لیجیے پلنگ سے اور سلسلۂ خیالات چلے ؎

ذکر کیا پلنگ کا یہ ذرا سی چیز ہے — مجھکو اپنی جان تک اُن سے کب عزیز ہے
راہ اُنکی روک لوں اب جو اُن کو پاؤں میں — پتلیوں میں دوں جگہ سامنے بٹھاؤں میں
بال اپنے کھولکر اُن پہ جال ڈال دوں — جب ذرا تھم لیں اُن پہ بال ڈال دوں

سلسلۂ خیالات یہاں آ کر شاید تھوڑی دیر کے لیے رُک جاتا اور عورت تخیل ہی میں
اپنے شوہر کے آنے اور پھر نہ جانے پانیکا مزہ لیتی رہتی، مگر بُرا ہو اس دل دوز
آواز سے چیخنے والی چڑیا پپیہے کا کہ وہ درخت پر آ بیٹھی، عورت فوراً اس طرح اُسکی
طرف مخاطب ہوئی ؎

کوئل! آکے پیڑ پر کہہ رہا ہے "پی کہاں" — پی کہیں ہیں میں کہیں کیا کہوں ہے جی کہاں
جی رہی ہوں میں یہاں گو جی مرا ہے پی کے ساتھ — پاس ہوں کہ دور ہوں ہیں وہ میرے جی کے ساتھ

فطرت کا قاعدہ ہے کہ وہ درد پیدا کرتی ہے تو اسی کے ساتھ دوا بھی؛ عورت پر غلبۂ یاس
کی انتہا نہ رہی تو فطرت نے اُسکے خیالات کا رنگ اس طرح بدلا ؎

آئی اُن کی سمت سے، اور بو بھی لائی تو — آج ادا ہوا ضرور اُن کو چھو کے آئی تو
اُن سے مل کے آئی ہے آ تری بلائیں لوں — تو نے خوش کیا مجھے لے تجھے دعائیں دوں
جا کے اُن کے پاس پھر تو جو اُن کو لا سکے — درد دل کا جا سکے چین دل کو آ سکے

او دل اور کیا کروں تیرے درد کا علاج　　خط میں لکھ کے بھیجدوں مجھ کو انکے پاس آج
شرط ہے کہ میرے پاس پھر پلٹ کے آئے تو　　اپنے خون کی قسم دے کے اُن کو لائے تو
آخر میں تھوڑی دیر کے لیے اس خیال سے تسکین ہوتی ہے
یوں نہ آئیں تو میں لوں شوق کی کشش سے کام　　کھنچ کے آئیں اسطرح پھر نہ لیں اُدھر کا نام

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ یہ نظم ایک خاص وقت کے جذبات کو نہایت وضاحت سے نہایت موثر طریقہ سے، نہایت سادے اور شستہ الفاظ اور محاورات سے ظاہر کرتی ہے۔

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فطرت انسانی یورپ میں اور ہے ایشیا میں اور، یہ بالکل غلط ہے جسطرح فطرت حیوانی ایک ہے اسی طرح انسانی؛ ایشیا کی عورت کو ویسا ہی عشق کا جوش ہے جیسا یورپ کی عورت کو۔ جذبۂ عشق بنفسہٖ ایک نہایت شریفانہ جذبہ ہے، اور یہ جذبہ ایسا جذبہ ہے جسکی برابری کوئی دوسرا جذبہ اپنے زور و قوت میں نہیں کرسکتا۔ ماں بیٹے کی محبت پر یہ غالب آجاتا ہے، انسان کی جسمانی تکالیف اس جذبے کے دور میں بھول جاتی ہیں۔ ایشیا کی عورت اور خصوصاً ہندوستان کی عورت کو جو چیز دنیا میں بےنظیر بناتی ہے وہ وہی قدرت ہے جو وہ اس جذبہ پر حاصل کرتی ہے۔ مثل دُنیا کی عورتوں کے عشق کے جذبہ سے وہ بھی پُر ہوتی ہے، مگر یہ جذبہ اُسکا مخصوص ہوتا ہے اپنے شوہر کے ساتھ، اور وہ بھی اس جکڑ بندی کے ساتھ کہ وہ اسکا اظہار دوسروں پر ہونے دے۔ اپنے شوہر سے تو وہ اس جذبہ کو چھپا نہیں سکتی؛ نہ اُس سے چھپانیکی اُسکی زیادہ کوشش ہی ہوتی ہے؛ لیکن وہ "مجبور انگ" کہکر اُسے سب کے سامنے نہیں پکارتی۔ اس سے یہ سمجھنا کہ اُس میں جذبۂ عشق نہیں یا عاشقانہ خیالات سے وہ بےبہرہ ہے، فطرت انسانی سے بیخبری ظاہر کرتا ہے۔

جو لوگ جناب شوق کی نظم عالم خیال کو اِس عقیدے کے ساتھ دیکھیں کہ محبت یا عشق کا ہر جذبہ غیر شریفانہ ہوتا ہے، اور اُس جذبہ کا اثر ہندوستانی عورت کے دلی خیالات پر ہونا چاہیے، وہ خود فراموش ہوں گے انسان نہیں وہ انسانی عالم خیال کے فلسفے سے نابلد محض ہیں۔

جناب احمد علی صاحب شوق قدوائی نے اپنی اِس بیش بہا نظم میں جس موقع اور مناسبت سے خیالات کے مختلف پہلوؤں کا بدلنا دکھایا ہے بلاشبہ وہ اُن کو ایک فلسفی شاعر ثابت کرتا ہے۔

جذبات انسانی کے انکشافات ہی سے آج دنیا میں شکسپیر کا ڈنکا بج رہا ہے؛ حالانکہ شکسپیر نے بعض بعض جگہ پر انسانی جذبات کو نہایت بد سلیقگی سے دکھایا ہے۔ اکثر جگہ احمقوں کے منھ میں فلسفیوں کے الفاظ ڈال دیے ہیں، کہیں کہیں خیالات بلند بےموقع دکھائے ہیں جن سے شکسپیر پر یہ اعتراض عائد ہوتا ہے کہ اسکی شاعری اسکی اپنی نہیں بلکہ یہ کہ اُس نے دوسروں کے خیالات جمع کر دیے ہیں اور موقع بےموقع کا خیال نہ کر سکا ڈرزلی نے شکسپیر کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ وہ سب سے بڑا شاعر اور سب سے کم رتبہ شاعر دونوں تھا۔ جو کچھ بھی ہو بہرحال اس میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا کہ جسقدر جذبات انسانی کا انکشاف شکسپیر نے کیا دنیا کے کسی دوسرے ایک شاعر نے اِس قدر نہیں کیا۔

لیکن میں ایک شکسپیر سے زیادہ ایک سعدی کو ملک بلکہ دنیا کے لیے مفید سمجھتا ہوں اوّل الذکر صرف انسان کے جذبہ کا انکشاف کر دیتا ہے، آخر الذکر اخلاق و عادات قوم کو درست کرتا ہے۔ ایران، افغانستان، اور ہندوستان کے اکثر

باشندوں کا تہذیب اخلاق عرصۂ دراز تک سعدی کے ہاتھوں رہا۔ شکسپیر کو کبھی نہ اس کا فخر نصیب ہوا، نہ ہو سکتا تھا۔ ہندوستان کے لیے بھی زیادہ ضرورت سعدیوں کی ہے۔

مسدس حالی نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ شاعری کیسی ہی بودی زبان کیسی ہی بھونڈی کیوں نہ ہو، اگر کوئی نظم قوم کی حالت کو ظاہر کرتی ہے تو اسکی قدر بھی قوم کرتی ہے۔ ہندوستان کے باکمال شعرا کے لیے ابھی میدان بہت وسیع ہے، آزادی پر، اتحاد قومی پر، حب الوطنی پر، قتل و غارت کی برائی پر، دیانت اور وفاداری پر، چاپلوسی و خوشامد کی مذمت پر، ترقی علم پر، صنعت و حرفت کی توجہ پر، اپنی تہذیب اور اپنے اخلاق کی برتری پر، غرض کہ سیکڑوں اور ہزاروں ایسے مضامین پر استادان فن قلم اٹھا سکتے ہیں کہ تمام قوم ان اشعار کو حفظ کر لے، تمام قوم کے دل میں ان اشعار سے ایک حرکت پیدا ہو جائے، جو سوتے ہیں جگ پڑیں، جو تھک گئے ہیں ان میں جان تازہ آجائے۔ بنگال کے شاعر اور نثار اسطرف کچھ زمانہ ہوا مخاطب ہوئے۔ اردو کے شاعروں کو بھی اسطرف توجہ کرنا چاہیے لیکن اگر استادان فن نے توجہ نہ کی تو معمولی لوگ ان مضامین کو اٹھا کر اسکی بھی اسیطرح مٹی پلید کرینگے جسطرح اول اول "نیچرل" نظموں کی ہوئی تھی۔

یونان کے تمدن کے لیے شاعروں کی ضرورت رہی ہو یا نہ رہی ہو ہندوستان کو اسوقت فصیح اور بلیغ شعرا کی بہت ضرورت ہے، جو کہیں تو رعد کا کام کریں کہیں ابر نیساں کا۔ میں اکتوبر سنہ ۱۹۰۹ء میں ولایت سے آتے وقت مشہور عالم مسٹر ڈبلیو۔ ٹی۔ اسٹیڈ مرحوم سے ملا اور ان سے اپنی قلبی دھڑکن کا جو کبھی کبھی انوکھی پالے رکھنے اور بے ہمدرد و دمساز ہونے سے پیدا ہوتی ہے ذکر آیا تو انھوں نے محبت سے اس کا علاج بتایا، اور وہ علاج یہ تھا

کہ انھوں نے ایک چھوٹی سی کتاب جسمیں اُنھوں نے خود امریکہ کے شاعر "لاول" کی تصنیفات سے اقتباس کیا تھا، دی جو میری جیب میں رہتی ہے، اور جس سے واقعی میرے قلب کو بارہا تسکین ہوئی ہے۔ بس مثالاً چار شعر سے ترجمہ کرکے لکھتا ہوں۔ وھو ہذا

وہ غلام ہیں جو گرے ہووں اور کمزوروں کے واسطے زبان ہلانے سے ڈرتے ہیں، وہ غلام ہیں جو اُس ڈر سے کہ لوگ نفرت کریں گے، مسخر کریں گے، گالیاں دیں گے، اس حق کو ظاہر کرنے میں جو اُن کے دلوں میں اترا ہو، خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ وہ غلام ہیں جو اسکی جرأت نہیں رکھتے کہ دو تین (حق پر ہونے والے) آدمیوں کا ساتھ دیں۔

میری حقیر رائے میں ہندوستان کو شکسپیر سے زیادہ "لاول" کی ضرورت ہے۔ ہماری قوم گری ہوئی ہے، اُسکے احیاء میں شاعر بہت کچھ حصہ لے سکتے ہیں، قومی کمزوریوں کا انکشاف کریں، قومی اخلاق کو بلند کریں۔ ایک طرف اگر وفاداری اور اطاعت کا بیج بوئیں، تو دوسری طرف قومی عزت اور تہذیب سے زندگی بسر کرنے پر آمادہ کریں، قوم کو خودداری کے سبق دلنشین طریقہ سے دیں۔ فقط

مشیر حسین قدوائی

دوسرا رُخ

عورت اپنے شوہر کے آنے کی امید میں ہے، شوہر کا خط عذر کے ساتھ پردیس سے آیا کہ وہ ابھی نہیں آسکتا۔ عورت بے چین ہو کے شوہر کو خط لکھ رہی ہے اور اپنے خیالات ظاہر کرتی ہے۔

پا کے تمہارے خط کو آج دل کی تڑپ بڑھی کچھ اور
دل میں بھڑک کے غم کی آگ جسم پہ تپ چڑھی کچھ اور

آنے کا آسرا کہاں یاس سے وہ بدل چلا
دل مرا آنسوؤں کے ساتھ بن کے لہو نکل چلا

در کی طرف تھی جو نگاہ، یاس سے اب زمیں پہ ہے
ہاتھ کبھی جگر پہ ہے، اور کبھی جبیں پہ ہے

ضعف سے جسم لٹ چلا، روح بدن سے ہٹ چلی
چہرے کا رنگ کٹ چلا، نبض کی چال گھٹ چلی

خط سے پڑی جگر پہ چوٹ داغ ہرے ہوئے ہیں آج
تم سے ہزار ہا گلے دل میں بھرے ہوئے ہیں آج

خط ہے تمہارے ہاتھ کا پڑھتی ہوں اسکو بار بار
کھولتی ہوں ہزار بار، چومتی ہوں ہزار بار

جن سے لکھا گیا ہے خط، کاش وہ انگلیاں ملیں
میرا خیال چوم لے جا کے وہیں جہاں ملیں

خود بھی گئے تم، اور چین چھین کے مجھ سے لے گئے
مجھ کو سہاگن بنا گئے، جو کہ جوبن سے گئے

سب کے جگر میں خون ہے، میرے جگر میں درد ہے
سب کا شباب لال ہے، میرا شباب زرد ہے

ایک تمہیں تھے میرا عیش، بن گئے غم تو کیا کروں
پہلے تمہیں تھے میرا عیش، اب جو ہے غم تو کیا کروں

عیش کو کھو گئے ہو تم، آؤ تھکیں تو پھر ملے
چین کو سے گئے ہو تم لاؤ تھکیں تو پھر ملے

تم نہ ستم کرو، تو کیوں دل مرا بے قرار ہو
میں نہیں چاہتی، کہ تم میرے گناہگار ہو

کیا میں خدا کے سامنے تمکو سزا دلاؤں گی
اپنی وفا کے نام کو ہنا کے میں کیوں بٹاؤں گی

چھپ گئے نیاپوں سے تم، اُن کو نظر نہ آؤ گے
یہ تو کہو کہ کسطرح دل سے نکل کے جاؤ گے

دل میں چھپے ہو تم مگر جوش رہے ہو خون کو
سر میں خیال بن کے تم دیتے ہو شہ جنون کو

بن کے لہو تمہاری یاد، دوڑ رہی ہے جسم میں
جان یہی ہے جسم میں روح یہی ہے جسم میں

دم مرا اُس سے بڑھ کے گرم، دل مرا جو اس پہ ہے
جسم میں جل گیا لہو، اور ابھی تپ کو پیاس ہے

مانگتی ہوں تم سے بھیک، تم تو کوئی ضرر نہیں
چاہتی ہوں تم سے رحم، مال نہیں زر نہیں

رحم سے میرے دلکو چین ہوگے تو دے سکو گے تم
اپنے خدا سے یہ ثواب لوگے تو لے سکو گے تم

اپنا خیال تک نہیں چاہ کے جوش میں مجھے
ایک تمہاری یاد، ہاں لاتی ہے ہوش میں مجھے

آئینے میں ہے ایک چیز چین مجھے اُسی سے ہے
اُنس ہے تو اُسی سے ہے، اور نہیں کسی سے ہے

دیکھتی رہتی ہوں اسے، پیار کے ساتھ بار بار
اسکی بلائیں لینے کو بڑھتے ہیں ہاتھ بار بار

ہے یہ تمہاری ہی شبیہ اور یہ میری جان ہے
اسمیں تمہارا حسن ہے اسمیں تمہاری شان ہے

جان تو میری ہے، مگر کچھ نہیں بولتی تو کیوں
دیکھتی ہے مجھے ضرور منہ نہیں کھولتی تو کیوں

شکل ہے یہ تمہاری ہی، تم ہو خفا تو یہ بھی ہے
دور تم اور چپ شبیہ وہ ہے خفا تو یہ بھی ہے

تم نظر آہی جاتے ہو لے وہ خیال ہی سہی
کچھ نہیں تو شبیہ سے صرف جمال ہی سہی

تم سے مرے نصیب میں شاید ابھی کرم نہیں
وہ ہیں بڑی ہی خوش نصیب آج کا جن کو غم نہیں

رہتی ہیں شوہروں کے ساتھ، خوب سنگار کرکے وہ
ہنستی ہیں کھلکھلا کے وہ تنتی ہیں بن سنور کے وہ

رُخ پہ شباب کی بہار رنگ سے دونوں گال لال
مانگ پہ موتیوں کا حسن ہاتھ ہیں ہونٹھ لال لال

وہ جوانی کے ہیں تیور سلہ نشان گلو تکی ہیں پڑی
ہونٹھ جو ہنسنے کے کھل پڑتے ہیں گل کی کلی سی کھل پڑی

بال کھلنے تو گھٹا کہہ بل ڈالکو لپیٹ لے گئے
دلمیں تھے جتنے ولولے سب کو سمیٹ لے گئے

کچھ تو خود بدن پر کس تنتی ہیں کچھ ادا کے ساتھ
کچھ تو ہے حسن تدرتی بنتی ہیں کچھ ادا کے ساتھ

لینے کو شوہروں کے دل لطف ہے بات بات میں
حسن ہے اپنی گھات میں ناز ہیں اپنی گھات میں

مجھکو ہے غم تو پھر سنگار کون کرے تمھیں کہو
دیکھ کے حسن مجھکو پیار کون کرے تمھیں کہو

رکھتے نہیں یہ ہونٹھ رنگ رکھتے نہیں گال رنگ
تم نہیں تو نظر میں ہے خون کا رنگ لال رنگ

کاجل اڑے گر دوں تو اب اسکی طرف نگاہ ہے
بہتا ہے آنسوؤں کے ساتھ ہوتی ہوئی سیاہ ہے

خاک میں چوڑیاں ملیں جی کو جلا رہی ہیں یہ
بھاڑ میں جائیں بجلیاں آگ لگا رہی ہیں یہ

بار ہیں پتے بالیاں خار ہے جو ہے دنتیاں
کس کو دکھاؤں انپہ کان اب میں پہنکر آتیاں

رہتی ہے داغ آرسی میں تو جھوڑوں گی اب اسے
آتی ہے زرد رو نظر دیکھتی ہوں میں جب اسے

بس اسے میں پہن چکی دل پہ گراں ہے زیور اب
تم نہیں دیکھتے سنگار خاک کسیلئے یہ مجھپر اب

بس میں اسکو کرکے بند سب میں تمھیں کو بھیجدوں
تھا یہ تمھارے ہی لیئے اب میں تمھیں کو بھیجدوں

مجھکو تو چاہتے نہیں شوق سے آ کے دیکھنا
چاہتے ہو جسے وہاں اسکو سجا کے دیکھنا

طنز سے کیا یہ کہہ اٹھی شوخ مری زباں ہوئی
ہے یہ زباں گناہگار میں نہیں بدگمان ہوئی

تم میں وفا ہو یا نہو میں یہ کہونگی ہے ضرور
ہاں یہ کہوں گی ہاہ کو رنگ کے ہر کوئی شئے ضرور

آکر نہ آئی میں شباب تم پہ نثار کر چکی
تم مجھے پیار کر چکے میں تمھیں پیار کر چکی

کس سے کہوں میں دل کا بھید سیج میں پٹی ہی جلی
لیٹ گئی تو آیا سچ بیٹھ گئی کھڑی ہوئی

ہوتی ہوں تنگ کروٹیں غم سے بدل بدل کے میں
کاٹتی ہوں سرن کیطرح رات ٹہل ٹہل کے میں

سلہ صیغۂ ہجنی ۱۲

پھولوں کے منھ جو کوئی چیز مانگ اٹھی تو زک ملی
آئے پسند ایسی چیز مجھ کو نہ آج تک ملی

تیل کو میں ترس گئی بال مرے چکٹ گئے
میں ہی لٹی تو بال کیا اُنھو وہ بلا سے لٹ گئے

جیسی پھنسی بلا میں اب اور کبھی پھنسی نہیں
دل میں کبھی خوشی نہیں منھ پہ کبھی ہنسی نہیں

میری خوشی کی زندگی عقد سے پیشتر رہی
ساتھ تمھارا کیا ہوا چھوٹ کے تم سے مر رہی

جذبے کے دل کے ہزار یہ مجھے سب عذاب ہیں
سب مرے دل کا جوش ہیں سب مرا اضطراب ہیں

کیوں میں عذاب کہہ اٹھی چوک ہوئی یہ قصور ہے
ہجر میں جذب ہی سے ہے درد کو جو سرور ہے

جذب میں کاش ہو یہ زور جو تمھیں لائے کھینچ کر
گھڑی پتلیوں کے بیچ میں انھیں بٹھائے کھینچ کر

چاہ کے رخ کھنچی ہوئی کاہ ربا سے جیسے گھاس
دل ہے تپش سے بیقرار تیز ہوا سے جیسے گھاس

کاہ ربا سے گھاس کو کھینچتی ہوں ہزار بار
جذب کو میں دکھاتی ہوں زور کشش کا بار بار

اب بھی نہ یک کشش تو اس سے کوئی کیا کرے
جذب کا نام جذب ہی پھر نہ رہے خدا کرے

دل مرا لے گئے ہو تم اسکو نہ چھوڑ دونگی میں
توڑ چکے جو تم تو پھر لاؤ تو جوڑ لوں گی میں

کان پکڑ کے دل میں لاؤ خوف اپنے خدا کا تم کبھی
اپنی وفا سے دو جواب میری وفا کا تم کبھی

صرف تمھارے دید کی تم سے ہوں طالب اور بس
صرف تمھاری آرزو مجھ پہ ہے تمنا اب اور بس

پھر کے تمھاری شکل سے دل نہ ہٹا نہ ہٹ سکے
اور کسی طرف کبھی دھیان بٹا نہ بٹ سکے

جھوٹ جو میں ذرا لکھوں تو ہو خدا شاہد اے خدا
چاہ کو مجھ سے چھین لے دے یہ مجھے سزا خدا

توبہ یہ کیا میں بک گئی توبہ یہ کیا زباں پہ آ گئی
چاہ تمھاری جب چھٹی پھر تو میں کیا رہ گئی

چاہ کا نام سحر ہو تم پہ اثر کرے یہ کاش
جذب سے کھینچ کر تمھیں رخ کو ادھر کرے یہ کاش

غم سے دبی خوشی مگر چاہ کی یہ خطا نہیں
ہجر ہے جسکی جوش سے درد کی انتہا نہیں

خوب ٹلی کڑی گھڑی ہے چاہ کو میں چھپا چکی
غم کی تو کوئی حد نہیں کم نہ ہوا میں کھا چکی

اشک سب بہتے ہیں مگر اشک نہیں نگاہ میں ‏ ‏ بڑھ گئے یہ موتیوں سے ہیں مجھکو تمھاری یاد میں
آنچل اگر ہو تر تو میں خشک کروں نچوڑ کر ‏ ‏ ساس کے پاس جاؤں تو منہ کو اُدھر سے موڑ کر
رہتی ہوں سب میں اگر تاکہ نہ تاڑ پائیں لوگ ‏ ‏ روتی ہوں سب سے چھپکے میں تاکہ نہ دیکھ پائیں لوگ
آتی ہے ہمت اگر مجھ میں نہیں ہنسی مری ‏ ‏ شرم سے کیا کہوں کہ وہ لیکے دل لگی مری
میں کہوں زبان سے کچھ کھلتا ہے درد رنگ سے ‏ ‏ دیکھتی ہیں وہ غم کی شکل چہرے کے زرد رنگ سے
پوچھتی ہیں تو کیا کہوں چھیڑتی ہیں تو کیا کروں ‏ ‏ سادھ کے چپ لہو کے گھونٹ بیٹھی ہوئی پیا کروں
جھولنے کو جو دو کہیں جاؤں بن میں اٹھ کے جبر سے ‏ ‏ گاؤں تو گاؤں ان کے ساتھ غم کو چھپائے صبر سے
ساون اگر میں گاؤں بھی تو وہی جس میں درد ہو ‏ ‏ راگ میں کھینچے عورت آہ، وہ جب اس کا درد ہو
گانے کا دم ہی کس میں ہے تان نکلتی ہی نہیں ‏ ‏ سانس میں زور ہی نہیں کھانسی کے چلتی ہی نہیں
پہلے لچک ناز سے کھاتی تھی میں ہزار بل ‏ ‏ تم نہیں اب تو ضعف سے کھاتی ہوں بار بار بل
ضعف کا حال کیا کہوں نرمی کو پیچ کھا گیا ‏ ‏ آہ کے ساتھ بار ہا دل مرا منھ تک آگیا
پال گئے ہو تم جسکو، ہوتی ہوں اس سے شاد میں ‏ ‏ لے کے اسی کو گود میں کرتی ہوں تم کو یاد میں
چاندنی رات میں مگر دیتے ہو غم ضرور تم ‏ ‏ اسکی نظر میں چاند ہو، میری نظر سے دور تم
چاندنی رات سیر ہی کرتی ہے دل کو سرد وہ ‏ ‏ تم مرے چاند، مجھ سے دور میرے لیے ہو درد وہ
شب کو پتنگے آتے ہیں گرتے ہیں وہ چراغ پر ‏ ‏ اور جلاتے ہیں مجھے دیتے ہیں داغ داغ پر
پاؤں تمھیں تو دل نثار گرد پھروں اسی طرح ‏ ‏ تم سے ملوں اسی طرح، تم پہ گروں اسی طرح
تم مجھے کیوں نہ لے گئے چل دیے منھ کو موڑ کر ‏ ‏ چل دیے مجھ کو چھوڑ کر، چل دیے دل کو توڑ کر
ساس کو مجھ پہ رحم کیا، ورنہ یہ روتیں کہتیں چھین لیا ‏ ‏ نند کو مجھ پہ کیا ترس، ورنہ یہ ڈھونڈتیں کہتیں یہ
پاک محبت اور میں ملنے کی فکر کیوں نہ ہو ‏ ‏ جوش وفا کا اور دل، یاد کا ذکر کیوں نہ ہو

جھکے دلوں میں کھوٹ ہو ان کو کہاں زنا کا کام
ڈھونڈتا ہے اس لئے غم میں بڑا خدا سے کام

ہجر کی کا شوق ہے ساتھ یہ مری نازکی ہے
مجھکو سزا یہ کیوں ملی سوچ رہی ہوں رات دن

کی نہیں میں نے کچھ خطا کی ہو تو بھول جاؤ تم
مجھ کو نہ دیکھنا اگر غیرت سے گوارا ہو تم کو

آؤ جو تم تو رخ پہ میں آنچل اٹھا کے ڈال لوں
آئینہ تو سچ کہا نہیں جہاں تک دیکھ بھال لوں

ابر گھمنڈ سے آ گیا رو دوں گی اس کے ساتھ میں
اپنے جگر کے خون سے دھو دوں گی رنگ کے ہاتھ میں

بجلی اٹھا کے میری [illegible] تجھ سے اتنا دل گیا
مجھ کو نہ مل سکو گے تم اس کو تو ایک دل گیا

گھونگھٹ [illegible] اس پہ پسینے آتے ہیں
دیکھ کے میری بےکسی مجھ پہ ترس وہ کھاتے ہیں

وہ [illegible] کبھی [illegible] کے اور آ کے چپ
تم کو پکارتے ہیں [illegible] شرم سی مجھ کو آ کے چپ

ابر اٹھے تو [illegible] شور [illegible] ہوں خون [illegible]
دیکھ کے بجلیوں کی آگ [illegible] ہوں تلملا گئی ہیں

تم سے پاس ہو تو پھر خوشی مجھے ذرا نہ ہو
وہم سے ڈر [illegible] جب کوئی [illegible] نہ ہو

عورت اگر میں ہو گئی اس میں مری خطا نہیں
یہ تو کہو کہ تم پہ کچھ میرا بھی حق ہے یا نہیں

پاؤں خدا نے کیوں دیے کیا اسی صحن کیلئے
سب مرے [illegible] حوصلے مجھ سے چلے گئے

[illegible] کے عورتیں مرتی ہیں گو تسنا ہو
شرم کا حق ادا کریں چاہ کا حق ادا نہ ہو

[illegible] ہوا تو میں کیا کروں
جیسا کہ کچھ [illegible] حسرت [illegible] میں کیا کروں

[illegible] آنسوؤں کا تار خوش ہوں میں [illegible]
ٹوٹ گیا [illegible] ہار پہنے تمہاری یاد ہے

[illegible] گذری [illegible] جگر گرد گی میں
اپنے بدن کی آگ سے آپ ہی جل مروں گی میں

مجھ کو یقین ہو کہ تم [illegible] مجھے نہ پاؤ گے
آ کے نہ پاؤ گے تو کیا میری لحد پہ آؤ گے

[illegible] کبھی پوچھو گے تم ہاتھ اٹھائے یا نہیں
رنج کو خوش کرو گے تم پھول چڑھا کے یا نہیں

[illegible] دیکھنا ضرور [illegible] بار ہو نہ جائے
نرم رہے [illegible] سوکھ کے خار ہو نہ جائے

جان بوں دے بھی تم کو پیام اور بس
سنتی ہوں شوق ہیں ہین انکو سلام اور بس

دوسرے رُخ پر ایک نظر

اس میں کچھ شبہ نہیں اور میں حضرت قدوائی بیرسٹر کے لفظ لفظ سے اس بات میں متفق ہوں کہ فطری جذبات کا نثر میں ادا کرنا مشکل ہے نہ نظم میں۔ لیکن میں صرف قلم ہی سے نہیں بلکہ دل سے کہہ رہا ہوں کہ حضرت شوق قدوائی نے جو کامیابی نیچرل جذبات کے دکھانے اور اصلی خیالات کے ادا کرنے سے نظم کی دُنیا مین حاصل کی ہے وہ آج ہندوستان مین انھیں کے دماغ اور انھیں کے قلم کے حصہ مین ہے اور اُنھوں نے صرف شاعری نہیں کی ہے بلکہ اخلاق اور معاشرت کا فلسفہ ان نظموں میں بھر دیا ہے

جو بڑی خوبی ان نظمون میں ہے وہ یہ ہے کہ مرد کا قلم عورت کا دل بنکر بول رہا ہے۔ یہ ایسی لطافت ہے جسکی داد بہ نسبت مردون کے خوش فہم عورتون کے دلوں سے اور بھی زیادہ ملنا چاہیے۔ وہ خوش ہونگی کہ اُن کے خیالات اور جذبات کس لطافت کس فصاحت اور کس عفت کے ساتھ ان نظموں میں دکھائے گئے ہیں اور پاکدامنی کے ساتھ وہ محبت اور وفا جو ہندوستان کی نیک سرشت عورتیں اپنے شوہرں کے ساتھ رکھتی ہیں اور جو صرف ایشیا کی عورتون کا خاص جوہر ہے اسکو یہ نظمین کیسے کیسے دلآویز پیرایوں مین ظاہر کر رہی ہین گویا اس بات کی قوی شہادت دے رہی ہین کہ ہماری عورتوں کے پاکباز دل اپنے ایمان اور اپنی تمناؤن کو صرف شوہروں ہی کی صورتون تک محدود رکھتے ہین۔

جن لوگوں نے انگریزی کی نظموں خصوصاً شکسپیر کے ڈراموں کو دیکھا ہے اور جن کی نگاہیں سنسکرت اور بھاشا کے دلکش مضامین پر پڑی ہیں، وہ نیچرل جذبات اور ان کی اداؤں کا لطف زیادہ پا سکتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہی عالم خیال کی نظمیں خیالات کی ایسی وسعت اور ایسی کششوں کے ساتھ اگر کسی یورپین شاعر کے قلم سے انگریزی زبان میں نکلتیں تو یورپ کے اکثر حصے اُن کی تعریفوں سے گونج اُٹھتے اور شاعر کا دامن امید ہر قسم کی داد کے پھولوں سے بھر جاتا، بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر ایسی نظمیں انگریزی لباس میں نظر آئیں تو یورپ کی آزاد منش عورتیں ہندوستان کی پاکباز عورتوں کے خیالات سے سچی محبت اور وفا کا سبق لیں۔

حضرت قدوائی بیرسٹر کا یہ خیال صحیح ہے کہ ان نظموں سے پیشتر اردو میں (بلکہ انگریزی میں بھی) ایسی مسلسل بے نظیر نظموں کا وجود نہیں پایا جاتا۔ فارسی کا ذکر ہی فضول ہے۔ البتہ عربی میں علامہ آزاد بلگرامی نے سنسکرت اور بھاکھا کے خیالات لیکر فطری جذبات کے نقشے کھینچے ہیں، مگر چھوٹے چھوٹے۔ انگریزی کی نیچرل نظمیں عموماً اور رنگوں کی ہیں۔ یورپ کی عورتیں مثل ہندوستان کی عورتوں کے اپنے خمیر میں وہ جوہر لطیف کم رکھتی ہیں جو انکو ایسے جذبات کے اظہار اور فراق کے ایسے صدمات کی تصویر کھینچنے پر مائل کرے جنکی حالتیں ان نظموں سے پیدا ہو رہی ہیں۔ لہذا میری طرح ملک کے ذی فہموں کو یہ بات تسلیم کرنی پڑیگی کہ اردو میں ایسی بلند اور دلچسپ نظموں کے موجد حضرت شوق قدوائی ہی ہوئے۔

اب میں نظم پر نگاہ ڈالتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ یہ ہندوستان کی ایک فرقت نصیب عورت کا خط ہے۔ وہ شوہر کی آمد آمد کا انتظار کر رہی تھی۔ اسی حالت میں پردیس سے

شوہر کا خط آیا کہ وہ ابھی نہیں آسکتا ہے۔ عورت بےچین ہوکے اُسکو خط لکھتی ہے اور اپنی بیقراری کے اظہار کا سلسلہ یوں شروع کرتی ہے ؎

پاکے تمہارے خط کو آج دل کی تڑپ بڑھی کچھ اور — دل میں بھڑک کے غم کی آگ جسم پہ تپ چڑھی کچھ اور

خط کو پاکے وہ اور بھی تڑپی اور مایوس ہوکر کہتی ہے ؎

آنے کا آسرا کہاں یاس سے وہ بدل چلا — دل بھی آنسوؤں کے ساتھ بنکے لہو نکل چلا
در کی طرف تھی جو نگاہ یاس سے اب زمین پہ ہے — ہاتھ کبھی جگر پہ ہے اور کبھی جبین پہ ہے

یاس کی تصویر شاعر نے جس فصیح زبان میں دکھائی ہے یہ اُس اصلی تصویر کی جانب خیال کو کھینچے لیے جاتی ہے جسپر یہ دردناک حالت طاری ہو اور مدتوں کی جُدائی کے بعد ناامیدی جسکی امید کا خاتمہ کردے۔ ان دونوں شعروں میں پہلے شعر کا دوسرا مصرع زبان کی لطافت کے ساتھ شاعرانہ بلاغت کو اعلیٰ پیمانے پر ثابت کر رہا ہے۔

دوسرا شعر ایک ایسی صورت حال کا نظارہ ہے جس سے تین شکلوں پر نگاہ پڑتی ہے۔

(۱) در سے نگاہ یاس کا زمین کی طرف آرہنا جو ایک اضطراری حالت ہے (۲) کبھی جگر پہ ہاتھ کا ہونا تاکہ درد اور بےچینی اسکو سنبھالے (۳) کبھی جبین پہ ہاتھ کا ہونا جو حیرت کا نقشہ یا درد کی حالت میں سر کے سنبھالنے کا طریقہ ہے۔ یہ شعر اپنی فصاحت کے ساتھ شاعر کی اس قوت شاعرانہ کو ثابت کر رہا ہے جسکی حد انتہائے قوت شاعری ہے اور اس امر کی دلیل ہے کہ اس شعر کا نظم کرنے والا فطری اداؤں کا نقشہ کھینچنے میں کامل دستگاہ رکھتا ہے۔

پانچواں شعر جسکو میں آگے لکھتا ہوں اس کا دوسرا مصرع عالم سخن سنجی میں جو شان دکھا رہا ہے اس کا اندازہ وہی سخن فہم کر سکتے ہیں جن کی نگاہیں شاعری کے بلند درجوں پر پہنچی ہوئی ہیں ؎

خط سے پڑی جگر پہ چوٹ زخم ہرے ہوئے ہیں آج   تم نے ہزار ہا گلے دل مین بھرے ہوے ہیں آج

زخموں کا ہرا ہونا ایک معمولی محاورہ ہے لیکن یہاں اُس نے اپنے معمولی لطف سے بہت بڑھکے لطف دیا ہے اور اوپر کے اشعار اُمید کے بعد یاس کو ظاہر کر چکے ہیں اب یہ مصرع کہتا ہے کہ فراق کے پچھلے زخم جو اُمید سے بھر چلے تھے اب (یاس سے بھرے ہوے) خط کی چوٹ کھا کے ہرے یعنی تازے ہوگئے۔ دوسرے مصرع کی شرح کہاں تک لکھی جائے اسمین "ہزار ہا گلے" کے الفاظ ایسے ہین جنکے وسیع مطالب کو دل سمجھ سکتا ہے مگر زبان نہین ادا کر سکتی۔

آگے چل کر قادر الکلام شاعر نے درد جگر کی حالت جس فصاحت لطافت اور بلاغت کے ساتھ دکھائی ہے یہ اُنھین کے دماغ اور قلم کا حق ہے گویا در تعجب عورت یہ کہہ رہی ہے

سب کے جگر مین خون ہے میرے جگر مین درد ہے   سب کا شباب لال ہے میرا شباب زرد ہے

جو شاعرانہ کمال اور فصیحانہ لطف اس شعر مین ہے وہ صاف کہہ رہا ہے کہ زبان بندش خوبی مضامین غرض نظم کے تمام اوصاف حضرت شوق قدوائی کے قبضہ قدرت مین ہیں۔ دوسرے مصرع مین شباب کے زرد ہونیکا رنگ اس پر جس اثر کے ساتھ جمتا ہے اُسکی حالت سخن فہموں کے دلوں سے پوچھی جائے مصرع اول کو مصرع ثانی سے جو ربط ہے یہ کمال فن کی قطعی شہادت ہے۔ یعنی "سب کے جگر مین خون ہے" اس سبب سے "سب کا شباب لال ہے اور میرے جگر میں درد ہے" اس سبب سے "میرا شباب زرد ہے" درد کا خاصہ ہے کہ چہرے کی رنگت کو بدل دیتا ہے۔

اوپر کے اشعار مین اگرچہ پاکباز عورت اپنے شوہر کے ساتھ محبت کا اظہار اسکے خط کو بار بار چوم کے اور اپنے خیال کو اُسکی انگلیاں چومنے کیلئے بھیج کے بہت دلچسپ پیرایے مین کر چکی ہے جن اشعار کو مینے طوالت کے خیال سے نہین لکھا لیکن جو اشعار آگے

لکھوں گا اُن کے سخن گسترانہ مذاق کی خوبیوں کے مجھے وہ لطف دیا ہی جسکو میں قلم کی زبان سے نہیں ادا کرسکتا۔ عورت کی بیقراری کا سبب فراق ہی اور فراق کو وہ اپنے شوہر کا ستم قرار دیتی ہی اور اخلاقی فلسفہ سے کام لے کے کہتی ہی سہ

تم نہ ستم کرو تو کیوں دل مرا بے قرار ہو — میں نہیں چاہتی کہ تم میرے گناہگار ہو
کیا میں خدا کے سامنے تم کو سزا دلاؤنگی — اپنی وفا کے نام کو خاک میں کیوں ملاؤنگی

پہلے شعر کا دوسرا مصرع اگر موتیوں کے ساتھ تولا جاے تو مصرعے ہی کی قیمت بڑھی رہے۔ زبان ہی کہ فصاحت کا دریا جسکی ایک لہر بنکے یہ مصرع نمودار ہوا۔ "میں نہیں چاہتی" کا لطف ادا فہموں کے دلوں سے کوئی پوچھے۔ انسان پر ظلم کرنا حق العباد میں داخل ہی۔ اِس خیال کو پیش نظر رکھ کے شوہر کی بی بی خواہ عورت اُسکو اپنا گناہگار بنانا نہیں چاہتی۔ یہ کیوں؟ اِس لیے کہ خدا کے سامنے وہ اُسے سزا نہیں دلاسکتی۔ محبت کا مقتضا یہی ہی اور اپنی وفا کو وہ برباد کرنا نہیں چاہتی جو اسکی زندگی کا سرمایہ ناز ہی۔ پھر وہ اپنے خیال کو جذب کی طرف پھیرتی ہی اور کہتی ہی سہ

چھپ گئے پتلیوں میں تم اُن کو نظر نہ آؤگے — یہ تو کہو کہ کس طرح دل سے نکل کے جاؤگے

یہ محبت آمیز طنز دل کے جذب کو جس خوبی سے ظاہر کررہی ہی میرے خیال میں اِس سے زیادہ لطیف پیرایہ قلب کی قوت مقناطیسی کے اظہار کا اور ہو ہی نہیں سکتا۔

جذب کو ظاہر کردیا اور یہ تو کہہ دیا کہ تم کو دل سے میں نہیں نکلنے دونگی۔ مگر فراق کی کاہشوں کا دکھانا بھی ضروری تھا تاکہ شوہر کو ترس آجاے، تو اب کیا کہتی ہی سہ

دل میں جمے ہو تم مگر جوش لہو ہے ہونٹوں کو — سرمیں خیال بن کے تم دیتے ہو شہ جنوں کو

اپنے خشک اور زرد ہونے کی صورت پہلے مصرع سے ظاہر کی ہی اور دیوانگی کی حالت

دوسرے مصرعے سے آخر فراق کی گرمی سے دل جل اُٹھا تو بیجو اس ہتھے کہ اُٹھی سے

غم مرا اُدسے بڑھ کے گرم دل مرا بیجو اس ہے — جسم میں جل گیا لہو ورا بھی تک پیاس ہے

اِس شعر کا دوسرا مصرع شاعرانہ نازک خیالی اور فصاحت کے ساتھ بلاغت کے عرش پر جا پہنچا ہے، اور کس لطف سے اس خیال کو ظاہر کر رہا ہے کہ بدن میں خون نہیں ہا لیکن تب کی پیاس نہیں بجھی یعنی میں نہایت نقیہ ہو گئی ہوں تپ اب بھی مجھے گھیرے ہوئے ہے۔

کیسا ہی رنج اور کیسا ہی غم کیوں نہ ہو فطرت کا یہ مقتضا ہے کہ کسی نہ کسی حد دل کی تسکین کے لیے کوئی نہ کوئی تسلی دینے والا خیال پیش آجائے ایسا نہ ہو تو رنج و غم کا سلسلہ زندگی کی ضرورتوں سے انسان کو مبہوت رکھ کے تنفس کے سلسلے کو منقطع کر دے فراق کی کاہشوں اور یاس کی کاوشوں سے شوہر کی وارفتہ عورت کو تشفی دینے کے لیے اگر کوئی چیز اُسکے سامنے ہے تو وہ یہ ہے جسکو وہ یوں بتا رہی ہے

تپنے میں ہر ایک چیز بھین مجھ کو اُسی سے ہے — اُنس ہے تو اسی سے ہے اور نہیں کسی سے ہے

وہ اپنے اُنس کو صرف اسی چیز پر منحصر کرتی ہے یہ اُس کی عفت اسکے نیک خیال اور اسکے پاکیزہ نفس کی قطعی شہادت ہے، یہ وہی اوصاف ہیں جو ایشیا کی پاکباز عورتوں کے واسطے سرمایۂ ناز ہیں اور جن کو قادر الکلام شاعر نے "اُنس کا" اسی پر انحصار کر کے "اور نہیں کسی سے ہے" ان چند الفاظ سے نہایت فصاحت اور قوت کیساتھ ظاہر کر دیا۔ اب عورت اپنے اُنس کی مزید شہادت قول سے بڑھ کر اظہار نیت کے فعل سے یوں پیش کرتی ہے

دیکھتی رہتی ہوں اُسے پیار کے ساتھ بار بار — اسکی بلائیں لینے کو بڑھتے ہیں ہاتھ بار بار

اہل سخن اس خیال فرما سکتے ہیں کہ یہ شعر جس میں سلیس اور فصیح الفاظ کے ساتھ لطافت

اور عورت کی فطری حالت کی خوبیاں بھری ہوئی ہیں، عورت کی زبان سے نکل کر کتنا لطف دے سکتا ہے۔

اب عورت اپنے خیال کو چکر میں ڈال کے، کہ آخر ہے وہ کیا چیز، اسکو ان پاکیزہ الفاظ میں ظاہر کرتی ہے ؎

ہے یہ تمھاری ہی شبیہ اور یہ میری جان ہے ‏ اسمیں تمھارا حسن ہے اسمیں تمھاری شان ہے

یہ شعر کیسی سیدھی سادی اردو میں ہے، مگر کتنا پُر اثر اور کس قدر بامزہ ہے لطیف بندش اور فصیح الفاظ کے علاوہ آپ اس بات کو دیکھیے کہ محبت سے بھری ہوئی عورت کی زبان سے نکل کر وہ شوہر کے دل کو کتنی جنبش دے سکتا ہے۔ پھر آگے چلکر عورت اپنے دلکی تسکین کا اظہار کیسے دلآویز طریقے سے کرتی ہے، اور کس پیاری ادا سے کہتی ہے ؎

تم نظر آہی جاتے ہو اے وہ خیال ہی سہی ‏ کچھ نہیں تو شبیہ سے صرف جمال ہی سہی

اِس شعر میں علاوہ اور تمام لطافتوں کے لفظ "اے" کا لطف وہی لوگ پا سکتے ہیں جو بول چال کی خوبیوں اور اُس کی نزاکتوں سے واقف ہیں۔ یہ ایک لفظ ثابت کر رہا ہے کہ جس نے اِس شعر کو کہا وہ زبان پر قادر، اسکے نکات پر حاوی، اور ادا بندی پر پورا قابو کیے ہوئے ہے۔

عورت تصویر سے صرف خیالی تشفی تو حاصل کرتی ہے لیکن فراق کا صدمہ جو اسکے دل میں نشتر چبھو رہا ہے، اُس سے چین اُسی وقت پا سکتی ہے جب شوہر کو حسرت زدہ آنکھوں سے دیکھ لے۔ ایسے نظارے کی امید یاس سے منقطع ہو چکی تو وہ مضطرب ہو کے نہایت درد انگیز آواز سے کہہ اُٹھی ؎

تم سے مرے نصیب میں شاید بھی کرم نہیں ‏ وہ ہیں بڑی ہی خوش نصیب ہجر کا جنکو غم نہیں

جن کو خوش نصیب کہا اور بہت صحیح کہا اُن کی خوشیون اور اُن کے حوصلوں کے نقشے کھینچ کے وہ اپنے شوہر کو دکھاتی ہی تاکہ اُن کی خوشیوں سے اُسکے صدموں کا موازنہ کر سکے ۔ اور کہتی ہی ؎

رہتی ہیں شوہروں کے ساتھ خوب سنگار کر کے وہ　　ہنستی ہیں کھلکھلا کے وہ تنتی ہیں بن ٹھن کے وہ
وہ جو لچک کے ہل پڑیں شاخ گلوں کی ہل پڑی　　ہونٹھ جو ہنسکے کھل پڑے گل کی کلی سی کھل پڑی
بال کھلے تو کھا کے بل دلکو لپیٹ لے گئے　　دل میں تھے جتنے ولولے سب کو سمیٹ لے گئے
کچھ تو ہی خود بدن میں کس تنتی ہیں کچھ ادا کیساتھ　　کچھ تو ہی حسن قدرتی بنتی ہیں کچھ ادا کیساتھ

ان چار اشعار میں دوسرے شعر کے الفاظ کی لطافت تیسرے شعر کے دوسرے مصرع کا قافیہ اور ولولوں کے سمیٹ لیجانیکی ادا ے شاعرانہ اور چوتھے شعر میں فطری حسن کے ساتھ بن سنور کے اترانیکی تصویرین جس خوبصورتی سے کھینچی گئی ہیں آپکی داد اُن ادا فہموں کے دل دیں جنکا سخن سنجانہ مذاق دلربایانہ اداؤں کے لطف سے آشنا ہی چوتھے شعر کا آخری مصرع قدرتی حُسن کے ساتھ بناوٹ کی ادا کو جو عورت کے حسن کی دلفریبی کی ایک خاص شان ہی کس خوبصورتی سے ظاہر کر رہا ہی

خوش نصیبوں کی صورتیں دکھانے کے بعد عورت اپنی بے نصیبی کا نقشہ کن حسرتناک الفاظ میں دکھاتی ہی تاکہ شوہر دونوں کی حالتوں کو لطف اور بے لطفی کے دونوں پلّوں میں تول کے عدل سے اعتدال قائم کر سکے، وہ کہتی ہی ؎

مجھکو ہے غم تو پھر سنگار کون کرے تمھیں کہو　　دیکھ کے حُسن مجھکو پیار کون کرے تمھیں کہو

شوہر کے فراق میں سنگار کر کے نہ بیٹھنا یہ اظہار محبت تو ہے ہی، مگر شعر اس سے بڑھکر پاکدامنی کی شہادت دے رہا ہی یعنے سوا شوہر کے دُنیا میں اُسکے سنگار اور حسن کا کوئی دیکھنے والا

نہیں، تمھیں کہو، کا لطف کوئی زبان دانوں سے پوچھے۔ یہ ایسا سوال ہے جس کا جواب اگر شوہر دے تو رحم محبت، اور اظہار وفا کے سوا اور کچھ دے ہی نہیں سکتا۔ اور یہاں اخلاقی فلسفہ کا نتیجہ یہی نکلنا چاہیے۔

اب وہ زیور سے بیزار ہو کے مختلف زیوروں کا نام لیتے لیتے کس فصاحت سے کہتی ہے ؎

ہار ہیں تیرے بالیاں خار ہیں چبھتی دنتیاں ‌ ‌ کسکو دکھاؤں اپنے کان اب نہیں ہیں کے جتبان

"ہار" اور "خار" کا تناسب الفاظ، اور وہ دونوں زیور جو قافیے میں آئے ہیں انکی لطافت قافیے کی صورت میں، یہ شاعرانہ لطافتیں سخن فہموں کو وجد میں لاتی ہیں

اسی زیور کے سلسلے میں پھر کہتی ہے ؎

دیتی ہے داغ آرسی میں نہ چھوئونگی اب اسے ‌ ‌ آتی ہے زرد رو نظر، دیکھتی ہوں میں جب اسے

آرسی کے شیشے کو داغ سے جو مشابہت ہے وہ تو ہے ہی دوسرے مصرعے کی بلاغت اور اسکے مضمون کی لطافت حضرت شوق کی شاعری کو انتہائے کمال پر ثابت کیے ہوئے ہے۔ زرد رو نظر آنے سے چہرہ کی زرد رنگت کا اظہار کس نازک خیالی سے کیا گیا ہے کہ سبحان اللہ۔

وہ چند اشعار کے بعد ایک ایسا حسرت کا سین دکھاتی ہے جسکا خیالی نقشہ اگر کسی دل کو اپنے اثر سے مغلوب نہ کر سکے تو اس دل پر انسان کے دل کا اطلاق مشکل ہے، کہتی ہے ؎

میری خوشی کی زندگی عقد سے پیشتر رہی ‌ ‌ ساتھ تمھارا کیا ہوا، چھوٹ کے تم سے مر رہی

یہ شعر اپنے عمدہ مذاق سے ہمارے ملک کی باوفا اور باعصمت عورتوں کی زندگی کا

پورا فلسفہ ہے۔ عقد سے پیشتر وہ اپنے ماں باپ کے گھر جس خوشی سے زندگی بسر کر چکی تھی اُس کو اب حسرت کے ساتھ یاد کر رہی ہے۔ اسمیں کچھ شک نہیں، کہ عقد کے بعد عورت کی ایک دوسری زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ اب اس شعر کو آگے رکھ کے اگر دونوں زندگیوں کی حالتیں دکھائی جائیں تو اخلاق اور طرز معاشرت کے فلسفیانہ مذاق کی ایک بڑی کتاب تیار ہو جائے۔ حضرت شوق نے کمال سخن سنجی سے دریا کو کوزے میں بھر دیا ہے۔ اس کو اعجاز فن کہنا چاہیئے۔

عورت جوش محبت کے ساتھ اپنے جذب کا اظہار کس لطف سے کرتی ہے، اُسکے خیال میں قوت جاذبہ کمی کر رہی ہے، اسکو یوں اُبھارتی ہے ؎

کاہ رُبا سے گھاس کو کھینچتی ہوں ہزار بار — جذب کو میں دکھاتی ہوں زور کشش کا بار بار
اب بھی نہ یہ کشش کرے، تو اُسے کوئی کیا کرے — جذب کا نام جذب ہی پھر نہ رہے خدا کرے

ان دونوں اشعار میں جس شکل سے جذب کو شہ دی گئی ہے اسکی نازکخیالی اور بلند پایہ شاعری کی داد دل سے بیساختہ ہونٹھوں پر آکے باہر نکلی پڑتی ہے۔

وفا اور محبت کا جوش ظاہر کرتے کرتے دل شکستہ عورت کو وہم ہوا کہ شاید شوہر کو یقین نہ آئے، تو وہ اپنی تحریر کو جھوٹ سے پاک ثابت کرنے کے لیے کیسا درد انگیز خیال اور کیسی محبت خیز سزا اپنے واسطے پیش کرتی ہے ؎

جھوٹھ جو میں نے ہو لکھوں تو ہے خفا مرا خدا — چاہ کو مجھ سے چھین لے دے یہ مجھے سزا خدا

لکھتے تو کہہ گئی، مگر فوراً اسکو تنبہ ہوا کہ اگرچہ وہ سچی ہے لیکن چاہ جو اُسکے جذبات کی چیز ہے اور جن جذبات کو وہ خود بہت عزیز رکھتی ہے، اُس کا نام ایسے موقع پہ کیوں لایا۔ خیال کے آتے ہی اُس نے اپنی زبان بدلی اور کہہ اٹھی ؎

چاہ تمھاری جب چھنی پھر تو میں کچھ نہ رہ گئی	توبہ یہ کیا میں بک اُٹھی توبہ یہ کیا میں کہہ گئی

اس سے زیادہ چاہ کی قدر اور کیا ہو سکتی ہے، مصرع دوم کا آخری حصہ "پھر تو میں کچھ نہ رہ گئی" کے الفاظ سے بول چال کی لطافت اور محاورے کی نفاست کو کس بلند پایے اور کیسے دلآویز پیرایے کے ساتھ ظاہر کر رہا ہے۔

آگے چل کر وہ اپنے رونے پر کس لطف سے پردہ ڈالتی ہے ؎

ساس کے پاس جاؤں تو مُنھ کو اُدھر سے موڑ کر	آنچل اگر ہو تر تو میں خشک کروں نچوڑ کر

اس شعر کی خوبیوں نے دل کو جسقدر مسرور کیا ہے اُس کی شرح قلم سے مشکل ہے۔ نسوان کی ادا کا ایسا سچا اور صحیح نقشہ کھینچا گیا ہے جس سے بہتر کوئی دوسرا نقشہ ہو نہیں سکتا۔ ساس سے روتی ہوئی صورت ایسے عمدہ پیرایے میں چھپائی گئی ہے کہ میں بلند آواز سے حضرت شوق کو اُنکے مذاق سخن اور کمال فن کی داد دیتا ہوں۔ نظم میں ایسی سہل ممتنع نقاشی اُنھیں کا حق ہے۔

ہمسن عورتیں اس سے ملنے کو آتی ہیں، تو وہ اُن کو غمزدہ صورت کس درد انگیز حالت کے ساتھ دکھاتی ہے، اور کس ضبط سے کام لیتی ہے ؎

آتی ہیں ہمسنیں اگر مجھ میں نہیں ہنسی مری	شرم سے کیا کہوں کہ وہ لیگئے دل لگی مری
میں نہ کہوں زبان سے کچھ کھلتا ہے درد رنگ سے	دیکھتی ہیں وہ غم کی شکل چہرے کے زرد رنگ سے
پوچھتی ہیں تو کیا کہوں چھیڑتی ہیں تو کیا کروں	سادھ کے چپ لہو کے گھونٹ بیٹھی ہوئی پیا کروں

"وہ" کا اشارہ، اے سبحان اللہ زبان ہے کہ نظم کے رشتے میں موتی پرو رہی ہے، بیان ہے کہ تعلقات کے ساتھ فطری حالتوں اور اداؤں کی سچی نقاشی کر رہا ہے۔ دوسرے شعر نے خاموشی کی بات ... رنگ سے درد کا اظہار کیا ہے، اور تیسرے شعر نے سکوت اور ضبط

کی جیسی ہیئت دکھائی ہو، یہ دلچسپیاں نگاہوں سے دلوں پر قبضہ کر رہی ہین۔
فطرت کا مقتضا یہ ہو کہ اضطراب کے سلسلے مین کوئی نہ کوئی تسکین دینے والا بھی پیدا ہو، ایسا نہ ہو تو غیر متناہی سلسلہ انتظار اور صدمون کو بڑھاتے بڑھاتے دماغ کو مختل کر کے انسان کی حیات کا خاتمہ کر دے۔ فرقت نصیب عورت نے تسکین کی ایک صورت شوہر کی تصویر پائی، اور دوسری صورت چکور سے جسے اسکا شوہر پال کے چھوڑ گیا تھا۔ چکور کا نظارہ کس لطف سے شوہر کی یاد کا محرک ہو کہتی ہو

پال گئے ہو تم چکور ہوتی ہون اس سے شاد مین لیکے اسی کو گود مین کرتی ہون تم کو یاد مین

لیکن چکور کی فطرت جو شب کو اُسے چاند کی طرف متوجہ کرتی ہو، اُس کا نظارہ عورت کی زبان سے کیسا حسرت انگیز واقعہ پیش کرتا ہو، وہ شوہر کو لکھتی ہو ؎

چاندنی رات مین گزر دیتے ہو غم ضرور تم اُسکی نظر مین چاند ہو، میری نظر سے دُور تُم

یہ حسرت کا سین جسقدر دلچسپ ہو، اس سے زیادہ شاعر کی تخئیل قابل تعریف ہو کہ زمین کے خیال کو طبیعت کی بلندی سے آسمان پر پہنچا کے چھوڑا۔
چند اشعار کے بعد عورت باوجود خجل ہونیکے اپنی خطا کا ذکر کس لطیف پیرایہ مین کرتی ہو اور کیسے دلآویز طعنے سے شوہر کے دل کو گھر کی طرف کھینچتی ہے۔ وہ حجاب، جو شریف عورت کی طرز معاشرت مین اس وقت لازمی ہو جب شوہر کسی کی موجودگی مین گھر کے اندر قدم رکھے، ادا تو اسی حجاب کی بیان کی گئی ہو، لیکن طنز آمیز اور دلکش آواز کے ساتھ۔ اس طرح کا حسن بیان نگاہ اور دل دونوں کے ساتھ جادو کا کام کر رہا ہو۔ وہ کہتی ہو ؎

کی نہین تم نے کچھ خطا کہی نہ آؤ ، دل جاؤ تم مجھکو نہ دیکھنا ، مگر خیر سے گھر کو آؤ تم

اور جو تم تو رخ پہ ہیں آنچل اٹھا کے ڈال لوں ۔ اسمیں تو ہرج کچھ نہیں جھانک کے دیکھ بھال لوں

پیار اس سے بہتر اور دلفریب ادا سوا حضرت شوق قدوائی کے اور کسی شاعر نے اردو یا فارسی میں دکھائی ہو تو نہیں۔ یہ قدرت سخن بس انھیں کی زبان کو حاصل ہے کہ حجاب اور اسکے ساتھ جھانک کے دیکھنے کا خوشنما منظر نگاہوں کے سامنے پیش کر دیا جسکے لطف سے دل کبھی آسودہ نہیں ہو سکتا۔ "خیر سے" کہہ کے عورت کی زبان نے محاورے کے جسم میں تازہ جان ڈال دی ہے۔

عورت خط لکھ رہی تھی کرا بڑ آگیا، مور بول اٹھا پپیہے انار کے پیڑ پر آ بیٹھے۔ یہین جس نفاست سے دکھایا گیا ہے، اس کی تعریف کہاں تک کی جائے، وہ کس حسرت کے ساتھ کہہ رہی ہے ۔

ابر امنڈ کے آگیا ہے تو دونگی اسکے ساتھ مین ۔ اپنے جگر کے خون سے دھو دونگی مور کے ہاتھ میں
بول اٹھا وہ میرا مور، ہاتھ سے اب تو دل گیا ۔ مجھکو نہ مل سکوگے تم، اسکو تو دلبر مل گیا
گھر میں ہی پیڑ انار کا، اسپہ پپیہے آتے ہیں ۔ دیکھ کے میری بیکسی مجھپہ ترس وہ کھاتے ہین
وہ نہیں بیٹھتے کبھی پیڑ کے اوپر آکے چپ ۔ تم کو پکارتے ہین پیو، نہ شرم سے مجھکو پا کے چپ

تیسرے شعر کا دوسرا مصرع غضب کا حسرت انگیز تو ہے ہی پپیہوں کا ترس کھانا اور بجائے عورت جو دل کے جذبات کو شوہر کے نام سے زبان پر نہیں لا سکتی، اسکی خاطر سے پکارنا یعنی "پی کہاں" کی آواز نکالنا، ان اداؤں کا اظہار ایسی فصاحت اور لطافت کے ساتھ یہ شاعری کیا ہے سحر بیانی ہے۔

طرز معاشرت سے ہمارے ملک کی عورتیں جس حالت میں ہیں، اسکی پوری داستان حضرت یہ ایک مصرع کہہ رہا ہے ع

عورت اگر بدنام ہو پڑی ہے سماج میں مری خطا نہیں

سچ یہ ہے کہ یہ ہے تو ایک ہی مصرع، مگر ایک ہزار اشعار بھی لکھے جائیں تو شاید اُسکی شرح نہ ہوسکے "ہو پڑی" کا محاورہ زبان کیا دل سے داد لے رہا ہے۔

دردانگیز خط لکھتے لکھتے عورت کا نازک دل ضبط کی طاقت کھو بیٹھا، اور اُسکے آنسو بیساختہ ٹپک پڑے، وہ اس حالت کو کس مجبوری مگر کس خوبی کے ساتھ ظاہر کرتی ہے

اشک کے ٹپک پڑے خط ہوا تر میں کیا کرون ۔۔۔ بھیگ کے کچھ بگڑ گئے حرف مگر میں کیا کرون
بندھ گیا آنسوؤں کا تار خوشی میں دیکھکر جسے ۔۔۔ بنگیا موتیوں کا ہار پہنے تمھاری یاد سے

دوسرے شعر کی شاعرانہ نازک خیالی حضرت شوق کی کمال معنی آفرینی کی قطعی دلیل ہے یاد کو ہار پہنانا، اس کا مزہ سخن فہموں کے دلوں سے پوچھنا چاہیے۔ "میں کیا کرون" کی ردیف محاورے کی لطافت کے ساتھ مجبوری کی سچی اور دلچسپ تصویر ہے۔

آخر عورت حسرت اور یاس سے مجبور ہو کے اپنی زندگی سے ہاتھ دھو رہی ہے، اور کس پُردرد آواز سے کہتی ہے

صبر سے گذری موت یہ یا تو جگر کرونگی میں ۔۔۔ اپنے بدن کی آگ سے آپ ہی جل مرونگی میں
مجھکو یقین ہے کہ تم آکے مجھے نہ پاؤ گے ۔۔۔ آکے نہ پاؤ گے تو کیا، میری لحد پہ آؤ گے
فاتحہ بھی پڑھو گے تم، ہاتھ اُٹھا کے یا نہیں ۔۔۔ روح کو خوش کرو گے تم پھول چڑھا کے یا نہیں
سبزہ کو دیکھنا ضرور مجھ پہ وہ بار ہو نہ جائے ۔۔۔ نرم رہے ہرا رہے، سوکھ کے خار ہو نہ جائے

پہلے شعر کا دوسرا مصرع ہجر کی تپ کا جو دردانگیز نتیجہ نکال رہا ہے اس کی لطافت اور اُسکے بیان کی فصاحت لاجواب ہے۔ بیچ کے دو شعر حسرت کی کیسی دردناک تصویر کھینچ رہے ہیں اور جو اس نظم کے خاتمہ کا شعر ہے، اس پایہ کا شعر کوئی قادر سخن شاعر نے لکھ کے قلم ہی توڑ دیا۔

اس نظم کی داد جو مجھ مین نے دی، یہ اگرچہ اُس تخئیل کی پوری داد نہیں ہے جسکے موجد اُردو زبان کی دنیا میں منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی ہوئے ہین البتہ نظم کے نظری خیالات اور دل کے اصلی جذبات کا صحیح اندازہ میرے اس ریویو سے کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔ جن لوگوں نے انگریزی نظموں کو دیکھا ہے وہ انسان کے فطری جذبات اور عام طور پر نیچر کے مناظر کی قدر ضرور ان لوگوں سے زیادہ کر سکتے ہین جنکی نگاہین یہاں تک نہیں پہنچی ہیں اور جن کے دماغ نیچر کی فلاسفی سے ناآشنا ہین انگریزی میں ایسے سلسلے کے ساتھ اس قدر انسانی جذبات اور فطری حالات سے بھری ہوئی نظم یقیناً نہ ملے گی اسکے جہاں اور اسباب ہوں وہاں ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ایشیا کی شوہر پرست عفت مآب، اور باوفا عورتوں کا مذاقِ زندگی جسقدر پاکیزہ ہے اسکی مثال اور کسی ملک میں نہیں مل سکتی۔

بعض نافہم جو نیچر کے فلسفہ سے ناواقف ہیں اور جنکی نگاہین علوم کی منزلوں کو طے کر کے حیاتِ انسانی کے جذبات اور فطری واقعات تک نہیں پہنچی ہیں وہ اس قسم کی نظموں کے نازک خیالات اور لطیف معاملات کے سمجھنے ہی سے مجبور ہوں تو کیا تعجب ہے۔ ان کی مثال ایسے لوگوں سے دینی چاہیے جو بغیر بصارت کے دنیا مین پیدا ہوے۔ وہ تو نہ دنیا کو دیکھ سکتے ہین نہ جان سکتے ہیں کہ وہ کیا چیز ہے۔

کوئی انسان مرد ہو یا عورت دلی جذبات سے خالی نہیں ہوتا۔ یہ اور بات ہے کہ سوسائٹی کا اثر کہین اسکو ایک رنگ میں ظاہر کر دے، اور کہیں دوسرے رنگ میں۔ ہندوستان کی پاکباز عورت جسکا راز دار جسکے دلی جذبات سے واقف ہونے والا سوا اسکے شوہر کے کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ اگر شوہر سے بھی جذبات کا اظہار نہ کرے

تو یقیناً اس کا دم گھٹ جائے، اور اس کی زندگی کو تپ دق ختم کر دے۔

میں نے منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی کی سب نیچرل نظمیں دیکھی ہیں۔ میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ جس طرح وہ قدرت سخن سرائی سے فطری اداؤں کے دکھانے اور جذبات انسانی کے سچے نقشے کھینچنے پر اعلیٰ درجہ کی زبان کے ساتھ قادر ہیں، اسی طرح وہ سائنس اور فلاسفی کے اہم مسائل کو سلیس اور فصیح زبان میں نظم کر دینے پر بھی قادر ہیں۔ ان دونوں اصناف سخن کے موجد اردو زبان میں وہی ہوئے، اور شاعری کے خزانے میں جو گراں بہا جواہر وہ بھر رہے ہیں، اُن کے اعتبار سے سخن سنجی کی تاریخ میں ان کا نام سنہرے حرفوں سے لکھا جائے گا۔ ان دو صنائع سخن کے علاوہ اُنھوں نے بہار اور برسات کی نظموں میں جو لطف سبزی کا دکھایا ہے، اور مختلف اقسام کی نیچرل نظموں میں اسی نظم کے مناسب جو لطافتیں ظاہر کی ہیں، اُن سبھوں کی مجموعی حالت خود [illegible] سے کہہ رہی ہے کہ وہ قادر الکلام ہیں، اور صرف معمولی قادر الکلام نہیں بلکہ فلاسفر اور سحر البیان قادر الکلام۔

میں اپنے معزز دوست مسٹر قدوائی بیرسٹر ایٹ لا سے متفق ہوں کہ عوام نے اردو میں نیچرل مضامین کی بہت کچھ مٹی خراب کی ہے۔ آج بھی بکثرت ایسی نظمیں نظر آتی ہیں جو شاعری کو بدنام کر رہی ہیں۔ اُردو شاعری کا نصیب پھر بھی اچھا ہے کہ آخر وہ حضرت شوق قدوائی کا سا لمبا پایہ شاعر نیچرل نظموں کے لیے پا ہی گئی ورنہ خدا جانے مقصود کی مٹی کب تک خراب ہوتی۔

اب میں اس ریویو کو ختم کرتا ہوں اور ظاہر کیے دیتا ہوں، اگرچہ تمام نظم فصیح زبان [illegible] لطافت خیال [illegible] جذبات انسانی کے فطری جذبات سے بھری ہوئی ہے لیکن [illegible]

زیادہ طوالت کے خیال سے صرف چند اشعار ہی پر ریویو کر سکا۔ اس سے پورا نہیں تو ایک حد تک اس اردو نظم کی بلند شاعری اور فطرتِ انسانی کی پُر اثر کششوں کا اندازہ مل جائے گا۔

محمد سلیمان (بیرسٹر ایٹ لا)

تیسرا رُخ

شوہر نے عورت کے خط کا جواب لکھا ہے

تمہارے خط کو دیکھ کر نظر اسی میں گھر گئی
تمہاری شکل خط کے ساتھ پتلیوں میں پھر گئی

ہے لفظ لفظ خط کا درد و غم کی داستاں سے
قلم تمہارا دل بنا وہ بول اُٹھا زباں سے

تمہارے سب گلے بجا، تڑپ بجا، الم بجا
تمہاری سب شکایتیں، تمہاری ہی قسم بجا

وہاں جو دل میں سوز ہے یہاں بھی آہ سرد ہے
وہاں جو رنگ زرد ہے یہاں بھی رُخ پہ گرد ہے

اُدھر بھی چوٹ اِدھر بھی ہے، نہ تاب اِدھر نہ تاب اُدھر
نہ چین اِدھر نہ چین اُدھر، نہ خواب اِدھر نہ خواب اُدھر

اُدھر ٹہل کے شب کٹی، اِدھر تڑپ کے شب کٹی
یہ سوچ شام ہی سے ہو کہ دیکھیں رات کب کٹے

تمہارا چین میں ہی تھا، جو دور میں تو دور وہ
سرور میرے دم سے تھا، نہیں تو اب سرور وہ

میری خوشی تمہی سے تھی، نہ تم نہ اب خوشی مری
فراق چھین لے گیا، اُڑا کے سب خوشی مری

وہ دن خیال ہو گئے، وہ راتیں خواب ہو گئیں
وہ دو دلوں کی راحتیں سب اضطراب ہو گئیں

نہ اب سرود ہے نہ وہ ہنسی، نہ رُخ پہ اب وہ رنگ ہے
نہ روح میں وہ تازگی، نہ دل میں وہ امنگ ہے

شباب، رنگ، حسن، انکی صورتیں بگڑ گئیں
گھروں میں لوٹ پڑ گئی تو بستیاں اُجڑ گئیں

جو دن کوئی دوبارہ غم سے پاک ہو کے دیکھیں
تو ہم تم اس جہان سے نکل چلیں نئے ہیں

جہاں ہزار آفتیں انھیں پہ دل گھرا کریں
جہاں ہزار گردشیں انھیں پہ سر پھرا کریں

وہ ملک چل کے ڈھونڈھ لیں جہاں نہ آسمان ہو
جہاں نہ اُسکے ظلم سے مصیبتوں میں جان ہو

جہاں نہ ہو اجل کہ سکو اُسکا داغ دے سکے
جہاں نہ میں ہی ہو کہ تو منھ میں لے سکے

جہاں نہ کوئی فکر ہو نہ بھوک ہو نہ پیاس ہو
جہاں نہ میں اُداس ہوں جہاں نہ تم اُداس ہو

تمھارے آنسوؤں کے داغ خط میں جسجگہ پڑے
وہ خط سے میرے لیں آ کے داغ بنکے رہ پڑے

تمھاری عمر ہو دراز اجل کا نام چھوڑ دو
حسد کے منھ میں خاک منھ سے یہ کلام چھوڑ دو

ہوا الحذر کہ سبزے کی بھرے نہ پھر دماغ میں
ہے سبزہ نرم اور ہرا تمھارے خانہ باغ میں

نہ تم ہو بھولنے کی شے نہ تم ہو چھوٹنے کی شے
قسم خدا کی تم ہو دل میں اور دل بغل میں ہے

نظر میں لطف ہے نور ہے کہ تم ہی نظر میں ہو
جمال بنکے دل میں ہو خیال بنکے سر میں ہو

تمھاری مسکراہٹوں کو یاد کر رہا ہوں میں
کھلیں نہ دانت اس ادا پہ صاد کر رہا ہوں میں

وہ لب وہ انکی جنبشیں مری نظر کو یاد ہیں
وہ ہلکی ہلکی چٹکیاں مرے جگر کو یاد ہیں

وہ ترچھی ترچھی چتونیں ستم کریں پھریں جدھر
وہ کالی کالی پتلیاں کبھی اُدھر کبھی اِدھر

وہ بال کھولکر کبھی جھٹک کے سر کو تھامنا
لچک پڑے بدن تو پھر لپک کے در کو تھامنا

لبوں کو اپنے پونچھنا وہ آرسی کو دیکھکر
نہ پھیل جائے تا کہ رنگ پان کا اِدھر اُدھر

وہ نازکی کہ تم نے کہہ کے یہ اُتاری آرسی
گراں ہے میرے ہاتھ پر جڑاؤ بھاری آرسی

وہ ناپسند لونگ کا بھویں چڑھا کے پھیرنا
وہ میری سمت پھر نظر کو مسکرا کے پھیرنا

گلوریوں کی صورتیں وہ خوشنما نئی نئی
سپیدیاں ادا ادا ر[illegible]سکے پستئی

وہ سادگی تمھاری بانکپن کو شہ دیے ہوئے
وہ شوخیاں حیا کو اپنی گود میں لیے ہوئے

ہنسی کے وقت پھینکنا گلے سے ہار ٹانکے
بچھونے سے وہ جھاڑنا گرے جو پھول ٹانکے

وہ ہار مجھ کو یاد ہے کہا تھا دیکھکر جسے
ہیں موگرے کے پھول کہ مہندی میں بسے

کہ سخت بو ہے، سر میں درد ہوگا، دیجو ڈال دو
نہیں تو کامنی کے پھول چن کے تم نکال دو

پلنگ اپنا کھینچکر وہ چاندنی میں لیٹنا
ہوا سحر کی سرد ہو تو جسم کو سمیٹنا

زری کریب و دیبا کہ چبھتی ہے خیالسی
پسند صرف ململ اور گلبدن بنارسی

وہ چوڑیوں کا پھیرنا، کہا تھا دیکھکر جھنجھن
چبھیں گے اُنکے گوکھرو نہ پہنوں گی کبھی انھیں

کہو جو دل سے لائیں ایسی چوڑیاں تمہی میاں
کہ تین تین بانکیں، چار چار ہوں کریلیاں

گرا زمرد ایک شب جو ٹوٹ کر بلاق سے
تم اسکو ڈھونڈنے نگین چراغ لیکے طاق سے

تمھیں تو وہ نہیں ملا، مگر میں اسکو پا گیا
دیا تو دیکھکر تمھیں گئیں اُس گھڑی چھپا گیا

مری ہنسی پہ وہ تمھارا پیچ و تاب یاد ہے
وہ تیوریاں چڑھی ہوئی وہ اضطراب یاد ہے

غرض خدا سے ہے دعا کہ تم ہو اور جہان ہو
تمھیں تو میری روح ہو تمھیں تو میری جان ہو

تمھارا زیور اور آئے میرے پاس ڈاک پر
لگایا تیر طنز کا یہ تم نے دل کو تاک کر

تمھاری بدظنی بجا، مگر غلط، مگر غلط
یہ آنکھیں بیوفا نہیں تو پڑتی کیوں نظر غلط

نظر میں تم، جگر میں تم، تو کون دخل پا سکے
مکان سب گھرے ہوئے ہیں کون اُنمیں آ سکے

قسم تمھارے گیسوؤں کی، جنکے پیچ میں ہے دل
قسم تمھارے صاف رخ کی جسپہ ہے سیاہ تل

قسم تمھاری پتلیوں کی جن کی ہر نظر بلا
قسم تمھارے ابروؤں کی، جنکے بس میں کربلا

قسم تمھارے اُن لبوں کی جن کا رنگ لال ہے
قسم تمھارے گدگدوں کی جن کے پاس خال ہے

قسم تمھارے سر کی جسمیں بال ہیں بڑے بڑے
قسم نظر کی جو سحر کے پاس سے نکل اگر لڑے

قسم تمھارے دل کی جسمیں پیار ہی بھرا ہو تمیں
قسم تمھارے وسوسوں کی جنمیں اب بھرا ہوں میں

قسم تمھارے اس سخن کی طنز جسکا کام ہے
قسم تمھاری اُس چھری کی ناز جسکا نام ہے

قسم تمھاری اس ہنسی کی جس سے گل کھلا کرے — قسم تمھاری اس زبان کی مجھ سے جو گلا کرے
قسم تمھارے اس غضب کی سرخ جس سے گال ہوں — قسم تمھاری اس حنا کی ہاتھ جس سے لال ہوں
قسم شکن کی جب جبین ناز سکوڑ ڈال دے — قسم صدا کی بات کو جب اٹھ کے ساتھ ٹال دے
قسم گلے کی جس سے زیب موتیوں کے ہار کو — قسم دہن کی جسکے دانت دیں شکست انار کو
قسم ہے انگلیوں کی دلکو چھین لیں وہ جب ملیں — قسم ہے رخ کے سائے کی زمیں پہ جس سے گل کھلیں
قسم ہے بیرخی کی جب نقاب کو جھٹکے رخ عیاں کرے — قسم ہے خامشی کی جب نگاہ کچھ بیاں کرے
قسم ہے تن کی قد آدم آئینہ جسے کہوں — قسم ہے قد کی جسکا سایہ بنکے کاش میں رہوں
قسم تمھاری چال کی ہے جسکے ساتھ حشر ہے — قسم ہے قد کی جنبشوں کی جسکے ساتھ قہر ہے

غرض تمھارے حسن کی قسم یقین مان لو — مرے جگر میں اور دل میں ہو تمھیں یہ جان لو
یہاں میں آکے پڑ گیا تجارتوں کے پھیر میں — جب انمیں گتھیاں پڑیں تو سلجھیں جا کے دیر میں
نہ چھوڑو اپنا آسرا، نہ توڑو دل کو یاس سے — نہ تم امید کو ہٹاؤ اپنے دل کے پاس سے
گلے نہ پھر گلے رہیں گے مجھکو پا کے ایک دن — ہنسی بنیں گے سب گلے لبوں پہ آکے ایک دن
میں خط میں چین بھیجدوں جو تمکو چین آسکے — نظر تو پا ہی جائے گی اگر جو دل بھی پا سکے
یہ خط ہے میرے ہاتھ کا، اسی کو چین جان لو — میں میہوں میں آؤں گا، یقین اسکا مان لو
میں اس خبر سے خوش ہوا کہ زندہ ہے چکور ابھی — تمھارے پاس ہے تمھارا وہ حسین مور ابھی
پپیہے خوش رہیں کہ روز وہ مجھے بلاتے ہیں — جواب کہیں وہ پی کہاں تو تم کہو کہ آگئے

یہ خط تو ختم ہو چکا، پیام اب ہے شوق کا
دعائیں اب ہیں شوق کی سلام اب ہے شوق کا

تیسرے رخ پر ایک نظر

اردو درکنار فارسی کی زبان جو شاعری کے لیے بہت موزوں اور شیریں تسلیم کر لی گئی ہے اس میں بھی عورت اور مرد کے سچے جذبات کے ساتھ فطرت کے صحیح ادراکات اور انسانی دل و دماغ کے اصلی خیالات کی نظم کا وجود نہیں ہے۔ فطری نقاشی کا مذاق سخن ایران فارس میں پیدا ہی نہیں ہوا۔ یہی سبب ہے کہ برسات، بہار، خزاں اور جنگل وغیرہ پر جتنی نظمیں شعرائے ایران کی ہیں ان میں سوا لفاظیوں اور ادعائے بلند پروازیوں کے فطرت کی کارسازیوں اور قدرت کی خوبیوں کے نظارے کا ذکر کہیں خال خال ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شاعر نے فطرت کو پیش نظر رکھ کر نظم نہیں کہی بلکہ جہاں اور مختلف خیالات کے اشعار قلم سے نکلے وہاں دو ایک شعر ایسے بھی نکل گئے جنمیں فطرت کا رنگ اتفاقی آ پڑا۔

اردو شاعری نے ابتدا ہی سے فارسی شاعری کی تقلید کا جامہ پہن لیا اسکا سبب یہ ہے کہ اردو انھیں لوگوں کی پیدا کی ہوئی ہے جنکے دماغوں میں فارسی شاعری بھری ہوئی تھی۔ سنسکرت اور بھاشا اس زمانہ میں ٹھنڈی ہو گئی تھیں اور اہل فارس کی کثرت آمد و رفت اور شعرائے فارس کے ہجوم سے ہندوستان ملک ایران کا ایک حصہ ہو رہا تھا۔ خود ہندوستان کے اصلی باشندے اپنی زبانوں کی شاعری چھوڑ کر فارسی کی جانب ٹوٹ پڑے۔ ایسی سوسائٹی کے اثر سے یہ بات لازمی تھی کہ اردو شاعری میں جو گرمی پیدا ہو وہ فارسی کے شعلوں سے پیدا ہو اور ایسا ہی ہوا۔

فارسی شاعری کے تخم سے اُردو شاعری پیدا ہوئی، الدسائنس کے قانون وراثت نے اپنا دور دکھایا، اور اُردو نے فارسی کی صورتین لیکر بڑھنا شروع کیا یہان تک کہ فرع اپنی اصل سے بالکل مشابہ ہوگئی۔ سائنس کے قانون تباین کا اثر صرف اسقدر ہوا کہ زبان میں ہندی کی آمیزش سے فارسی کے ساتھ اختلاف ہوگیا۔ بہرحال اُردو کی شاعری فارسی کی پیدا کی ہوئی اور پروردہ ہے۔ اس میں فطری مذاق کہان سے آتا۔ یہ بھی اپنے دامنوں کو سمیٹے ہوے اسی احاطے میں بیٹھ گئی جو احاطہ اُس کی مادر مہربان نے کھینچا تھا۔

ایک مدت تک غزل، واسوخت، مثنوی، اور قصائد وغیرہ اسی قسم کی نظموں سے اُردو کی سخن سنجی کا خزانہ معمور ہوتا رہا، اور نثر میں فسانۂ عجائب اور سرور سخن کی سی کتابون نے بلند نامی کے جھنڈے اُڑائے۔ آخر سوسائٹی کے مذاق میں کچھ تغیر ہوا اور زمانے میں حضرت آتش، حضرت غالب اور حضرت انیس کے سے سخن سرا پیدا ہوے۔ آتش نے غزل میں جذبات، غالب نے جذبات نظم کے ساتھ نثر میں سلاست اور انیس نے فطری نقاشی کی خوبیاں پیدا کین۔ ان بزرگوں کے نام شاعری کی تاریخوں میں آب زر سے لکھے گئے لیکن اُن کے دماغوں اور قلموں سے جو نظمیں نکلین وہ صرف ایک ہی صنف کو لیے ہوے تھیں۔ مثلاً آتش اور غالب صرف تغزل کے عمدہ نواسنج اور اسی صنف میں جدت آفرینی کے ساتھ لطیف معنے اور انیس نے مرثیہ اور سلام کو اختیار کیا، وہ صرف اسی صنف مین انتہائے کمال تک گئے۔ انکے کھینچے ہوے فطری نقشے دلچسپ، الکش اور دلفریب ہین لیکن وہ انھیں حدود تک محدود ہین جو حدود مرثیہ اور سلام کے لیے قائم اور مروج تھیں۔ اسمین شک نہیں کہ جو تصویرین امیتمی خوم کے قلم ہے رقم نے دکھائی ہین اُلا جواب

ہین۔ زبان انکے قابو مین اور فصاحت اُن کے قبضے مین تھی۔ مگر میرا مطلب یہ ہی، کہ فطرت کی عام جلوہ آرائیان اور قدرت کی وسیع کارسازیون کی جانب انکو توجہ نہیں ہوئی۔ توجہ نہونے کے کچھ ہی اسباب ہون مجھے ان سے بحث کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ بات لکھنی ہی کہ جو مذاق علمی اور عملی صورتون کے ساتھ آج نظمون اور نثرون مین نظر آرہا ہی یہ انگریزی علم ادب سے اُردو مین آیا، اور یہ مشرق کی سرزمین سخن مین مغرب کی تخم افشانیون کے ثمرے ہین۔

جدید مغربی مذاق کے پھیلتے ہی ہندوستان مین نیچرل شاعری کا وہ طوفان اُٹھا جسکی انتہا نہ رہی۔ دُنیاے شاعری مین نوخیز اور نوآموز لڑکے جن کی زبانیں اور جنکے قلم صحیح رفتار سے ناآشنا تھے، اپنے لڑکھڑاتے ہوے پانوان اور ٹھوکرین کھاتے ہوے قدمون سے چل کھڑے ہوے۔ اِس طوفان بے تمیزی نے سخن سنجی کے صاف راستون کو برباد کر دیا۔ ابتک ہم دیکھ رہے ہین کہ ناواقفان سخن اپنی نافہمی کے ساتھ سخن سرائی کے مدعی ہین۔ نہ وہ شتر گربہ کو جانیں، نہ تعقید، نہ شائگان کو، اور نہ کسی نقص کو، انکے خیال خام میں سخن سنجی کے واسطے پختہ مغزی کی ضرورت نہیں ہی۔ وہ نافہمی کے ہجوم سے دماغ میں اس خیال کو لا ہی نہیں سکتے کہ دنیا کا کوئی علم اور کوئی فن اصول سے متجاوز ہو کے کامیابی کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ ایسے لوگوں کی نظمیں سوا اسکے کہ ارباب فہم کے دماغون کو پراگندہ اور نگاہوں کو پریشان کریں کوئی دوسرا نفع نہیں پہنچا سکتیں۔ وہ قلمرو سخن میں ٹکسال باہر ہیں۔

یہ طوفان بے تمیزی برپا ہوا۔ برپا ہی، اور غالبًا ابھی برپا رہے گا لیکن اس افسوس کے ساتھ ہی، کچھ اسباب اطمینان کے بھی مہیا ہو گئے ہیں یعنی اقلیم سخن نے حضرت

سحرالبیان شوق قدوائی کے سے قادرالکلام سخنور کو پیدا کردیا جنکے پُرزور دماغ نے سائنس اور فلسفہ کے اہم مسائل کو فصیح اور سلیس اُردو میں با اصول نظم کرکے یہ بات ثابت کردی کہ اگر زبان دانی کے ساتھ کلام پر قدرت کاملہ ہو، تو زبان اُردو سخن پیرائی کی ہر صنعت کو نہایت زور اور لطافت کے ساتھ اپنی گود میں جگہ دے سکتی ہے۔

علمی مسائل کے علاوہ حضرت شوق قدوائی نے جو سینریاں دکھائی ہیں اور سبزہ زار قدرت کے جیسے چمن صفحوں پر کھلائے ہیں نیز انسان کے فطری جذبات فطری خیالات اور فطری اداؤں کی جیسی سچی اور خوشنما تصویریں کھینچی ہیں انکی مثال اگر آج ہندوستان کی زندہ شاعری میں تلاش کی جائے تو سوا حضرت شوق قدوائی کی نظموں کے اور کہیں نہیں مل سکتی۔ ایسی حالت میں مجھے یہ کہتے ہوے ذرا بھی جھجک نہیں ہے کہ حضرت شوق قدوائی ملک سخن میں فی زمانناخود ہی اپنی مثال ہیں" اور یہ قول ہندوستان کے مشہور ایڈیٹر حکیم برہم کا جو اخبار مشرق کے مالک ہیں بہت صحیح ہے کہ حضرت اکبرالہ آبادی اور حضرت شوق قدوائی کی نظم و نثر کی داد روح القدس سے ملتی ہے۔

"عالم خیال" کے پہلے نمبر پر ہندوستان کے جلیل القدر فاضل مسٹر مشیر حسین قدوائی بیرسٹر کا نہایت عمدہ ریویو نکل چکا ہے جسکو دیکھ کر میری زبان سے بیساختہ یہ الفاظ نکلے کہ حضرت بیرسٹر کے سخن فہمانہ خیالات محققانہ اشارات اور حکیمانہ نکات نے اس نظم کے فلسفہ کی نہایت ہی فصیح بلیغ اور لطیف شرح کردی ہے۔ اگر حضرت بیرسٹر کے ادیب قلم سے ریویو کی روشنی نہ پھیلتی تو نظم کی بلندی تک بعض کوتاہ بین نظر پہنچ بھی سکتی اور سلسلۂ نظم کا قائم کرنا تو عموماً دشوار ہوتا۔

"عالم خیال" کے دوسرے رخ پر مسٹر محمد سلیمان بیرسٹر ایٹ لا کا ریویو تکلا ہے بجا اول اور قابل بیرسٹر نے جن لطافتوں اور نزاکتوں کی شرح کی ہے اُن کو دیکھ کر نظام اور ناظم دونوں کو لاجواب اور یکتا کہنے میں ذرا بھی تامل کی وجہ نہیں ہے۔

انگریزی تعلیم اور یورپ کے نظارے سے فطری مذاق پر جیسی وسعت نگاہ کی اِن دونوں فاضل محقق بیرسٹروں نے دکھائی ہے معمولی مذاق کے آدمیوں سے یہ ممکن نہیں جیسا حق سخن حضرت مصنف نے ادا کیا، ویسا ہی حق شرح دونوں جلیل الشان فاضل بیرسٹر صاحبان نے علمی قلمرو کے دونوں رفیع القدر اہل قلم بالاتفاق اس بات کو تسلیم کر رہے ہیں کہ انسانی جذبات اور فطری خیالات کی ایسی مسلسل نظمیں انگریزی میں بھی نہیں ہیں اور اس دلفریب طرز کے موجد اُردو حضرت شوق قدوائی ہی ہوے جن کے کمال سخن اور زور کلام نے علمی اور فطری نظموں سے ہندوستان کے سخن فہموں اور پاکیزہ خیالات رکھنے والے سخن سنجوں سے احسنت و آفرین کی آوازیں بلند کرا دیں۔

بقول نامور ادیب حضرت ہیم کے اس زمانہ میں یہ فخر ہمارے صوبہ متحدہ ہی کو حاصل ہے کہ اس میں لسان العصر حضرت اکبر اور سحر البیان حضرت شوق قدوائی دو یکتاے سخن موجود ہیں۔ میں کہتا ہوں خدا ان دونوں کو نظر بد سے محفوظ رکھے۔ انھیں دونوں سے اسوقت ہندوستان کی اُردو شاعری اصول علمی اور لطافت زبان کے ساتھ اوج کمال پر پہنچی ہوئی اپنے خوشنما منظر دکھا رہی ہے۔

"عالم خیال" کے دو رُخ اعلیٰ درجے کے قابل بیرسٹروں نے لے لیے۔ اب میں بحیثیت ایک وکیل کے نمبر سوم کا مدعی ہوں یعنی میں نے عالم خیال کے تیسرے رُخ پر

ریویو سے لیے قلم اُٹھایا ہے۔

یہ نظم دوسرے رُخ سے دست وبغل ہے یعنی شوہر کی جانب سے اُسکی فرقت نصیب زوجہ کے خط کا جواب ہے پہلا شعر ہے ؎

تمھارے خط کو دیکھ کر نظر اسی میں گھر گئی
تمھاری شکل خط کے ساتھ پتلیوں میں پھر گئی

خط کو دیکھ کے جوش محبت سے نظر کا اسمیں گھر جانا اور اسکے لکھنے والے کی شکل کا پتلیوں میں پھر جانا اس سے زیادہ فطری جذبے کا اظہار ہو سکتا ہے، نہ اس سے زیادہ فصیح الفاظ میں خط اور پتلیاں ان دونوں کی محبتانہ کشش نظم سے پیدا ہو سکتی ہے۔ شاعر نے لطف بیان کا خاتمہ کر دیا اور حرفوں سے محبت کی مجسم شکل دکھا دی۔ اس خط کے الفاظ سے کیا حالت نظر آئی ہے اس حالت کا مصور یہ دوسرا شعر ہے ؎

ہر لفظ لفظ خط کا درد و غم کی داستان ہے
قلم تمھارا دل بنا، بول اُٹھا زبان سے

عورت کے درد فرقت کا اثر شوہر کے دل پر الفاظ سے بڑھ گیا یہ الفاظ کون ہیں؟ وہ ہیں جنکو قلم نے عورت کا دل بنکر اپنی زبان سے ادا کیا ہے۔ اس شعر کا دوسرا مصرع ترکیب کی خوبی اور زبان کی فصاحت کے ساتھ اس قدر بلاغت کو لیے ہوئے ہے اور اتنے وسیع مطالب کا گنجینہ ہے کہ اس کی پوری شرح کسی فرقت زدہ کا دل ہی کرے تو کرے، قلم نہیں کر سکتا۔

عورت کی دردانگیز حالت کو سمجھ بوجھ کے شوہر کس خوبی سے عورت کی دلجوئی کا پہلو لیے ہوئے اُسکے شکوؤں اور اسکی بےچینیوں کو تسلیم کر رہا ہے ؎

تمھارے سب گلے بجا، تڑپ بجا، الم بجا
تمھاری سب شکایتیں تمھاری ہی قسم بجا

اس قسم سے عورت کے دل پر یقین کا اثر جس لطف سے ڈالا گیا ہے اسکو اداؔ فہم ہی

سمجھ سکتے ہیں اور محاورے کی نفاست نے زبان کا جو مزہ پیدا کیا ہے اس کو زباں دانوں کے دلوں سے پوچھیئے۔

اظہار اضطراب کے بعد شوہر نے عورت کے اس بیان کا، جو عورت کے لکھے ہوے خط میں ہے کہ وہ سرطان کی طرح ٹہل ٹہل کے رات کاٹتی ہے، ذیل کے شعر سے جواب دیا ہے ؎

ادھر ٹہل کے شب کٹے ادھر تڑپ کے شب کٹے
یہ سوچ شام ہی سے ہو کہ دیکھیں رات کب کٹے

دوسرا مصرع کتنا پاکیزہ خیال لیے ہوے ہے، اور کس لطف سے اس فطری حالت کو ظاہر کر رہا ہے جو اضطراب کے وقت پیش آتی ہے اور جسکی لازمی صورت یہ ہے کہ انسان شام ہی سے بیقرار ہو ہو کے صبح کے جلد نمودار ہونے کی تمنا کرے۔ یہ طے شدہ کلیہ ہے کہ فرقت زدہ پر رات بھاری ہوتی ہے۔ سبب یہ ہے کہ دن کو مختلف شکلوں کا نظارہ خیالات کو کچھ نہ کچھ ادھر اُدھر بہلاے رہتا ہے اور رات کو سب خیالات سمٹے ہوے مصائب فرقت کے ہجوم میں گھر جاتے ہیں۔

اس شعر کے بعد چار اشعار اس بات کو ظاہر کر رہے ہیں کہ "تمھارا چین بھی تھا اور میری خوشی تم تھیں" فراق سے دونوں کی راحتیں اضطراب ہو گئیں اب وہ ہنسی ہے، نہ وہ روح کی تازگی البتہ یہ نقشہ ہے ؎

شباب، رنگ، حسن، انکی صورتیں بگڑ گئیں
گھروں میں لوٹ پڑ گئی تو بستیاں اُجڑ گئیں

یہ شعر اظہار حالت کیساتھ زبان کی پاکیزگی، بیان کی فصاحت، اور مثال کی خوبی کو جس لطف سے دکھا رہا ہے، یہ نفاستیں شاعر کی سحر البیانی کی نہایت پُر اثر تصویریں ہیں۔

فطرت انسانی کا یہ قاعدہ ہے اکثر رنج کے مصائب کو جھیلتے جھیلتے اسکے خیالات

حسرت کے ساتھ اسباب آسایش کے جدا ہوتے ہین اسباب آسایش کی جستجو کے باہم مسلسل اشعار جو سحر البیان سخن سنج نے اس موقع پر کہے ہین اور جن مین تخیل لطیف، کمال فن فصاحت کلام اور جدت معنی آفرینی کے ساتھ حسرت کا ایسا پُر درد نقشہ کھینچا ہو جس سے بہتر اور جس سے زیادہ پُر اثر اُردو کی نظموں میں آجتک میری نگاہ سے نہین گذرا۔ وہ اشعار یہ ہین ؎

جہان کوئی دوسرا جو غم سے پاک ہو کہین — تو ہم تم اس جہان سے نکل چلین یہین یہین
یہان ہزار آفتیں انھیں میں دل گھرا کرے — یہان ہزار گردشیں انھیں میں سر پھرا کرے
وہ ملک چل کے ڈھونڈھ لین جہان نہ آسمان ہو — جہان نہ اُسکے ظلم سے مصیبتوں میں جان ہو
جہان ہوا چلی کہ اسکو اس کا داغ دے سکے — جہان زمین بھی نہ ہو کہ گور منھ میں لے سکے
جہان نہ کوئی فکر ہو نہ بھوک ہو نہ پیاس ہو — جہان نہ میں اُداس ہون جہان نہ تم اداس ہو

یہ قدرت کلام اور ایسے دل کو ہلا دینے والے پُر تاثیر مضامین جو سلاست بیان کیساتھ حضرت انسان کے خیال کو مسخر کر کے اپنی جانب کھینچ لین فی زماننا حضرت شوق قدوائی ہی کے قبضے کی چیزین ہین۔

عورت نے خط میں لکھا تھا کہ بیساختہ میرے آنسو ٹپک پڑے اور خط کے حرف بگڑ گئے میں مجبور ہوں۔ شوہر کس لطیف شعر سے جواب دیتا ہے ؎

تمھارے آنسوؤں کے داغ خط میں جبکہ پڑ گئے — وہ خط سے میرے دل مین آکے داغ بنکے رہ پڑے

میں کہتا ہوں کہ اس سے بہتر شعر اس موقع کے لیے ہو ہی نہیں سکتا۔ دیکھیے سیدھے سادے الفاظ ہین۔ لیکن اپنی فصاحت اور ترکیبوں کی لطافت سے شعر سہل ممتنع کی تعریف میں داخل ہو گیا۔ خوبی بالاے خوبی یہ کہ چند مختلف مطالب کو صرف ایک شعر مین

ادا کر دیا ہی۔ اگر زبان اور کلام پر قدرت کاملہ ہوتی تو یہ مطالب بجاے ایک شعر کے چند اشعار مین ادا ہو سکتے۔

عورت نے مصائب سے تنگ ہو کے اپنے خط مین لکھا تھا کہ اب مین زندگی سے در گذری موت کی تمنا کروں گی۔ فطرت انسانی کا عام اور خیالات نسوانی کا خاص شیوہ ہی کہ رنج و غم کی کثرت اور مصائب کے ہجوم سے مجبور ہو کے حیات کو مصائب کا ذریعہ قرار دے کے اُسکی تمنا ظاہر کی جاتی ہی۔

مرد نے کس لطیف اور فصیح پیرایہ میں دعاے درازی عمر کے ساتھ عورت کو جواب دیا ہی ؎

تمھاری عمر ہو درازاجل کا نام چھوڑ دو　　حسد کے منھ مین خاک مُنھ سے یہ کلام چھوڑ دو

"حسد کے مُنھ میں خاک" اس پُر لطف محاورے نے جو نفاست اس شعر میں پیدا کی ہے قابل لحاظ ہے۔

عورت نے خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ تم میری لحد پر آکے سبزے کو دیکھنا وہ زرد اور مرجھائے سوکھ کر خار اور مجھ پر بار نہ ہو جاے۔ وفادار مرد نے اس منے کا جواب دے کے اُسکے خیال کو کدھر سے کدھر پھیرا ہی ؎

ہوا لحد کے سبزے کی بھرے نہ پھر دماغ میں　　ہر سبزہ ترم اور ہرا قطعات خانہ باغ میں

یہ خانہ باغ کی جانب انتقال ذہنی شاعر کی کمال معنی آفرینی کی صاف شہادت ہے معمولی شاعر کا دماغ ایسے مقامات تک پہنچ ہی نہین سکتا۔ اس لطیف تخیل کے علاوہ یہ شعر اول سے آخر تک دلچسپ محاورات کے سانچے مین ڈھلا ہوا ہی۔

چونکہ عورت شکستہ دل ہی اب مرد کو اس امر کا یقین دلانے کی ضرورت ہوئی کہ وہ اُسسے

بھولا نہیں ہی اور اسکی محبت کو دل و دماغ مین جگہ دیے ہوے ہی۔ ان مطالب کو وہ جن فصیح اور دل آویز الفاظ میں جن اُلفت خیز خیالات کے ساتھ ظاہر کرتا ہی یہ خوبیان حضرت شوق قدوائی ہی کی سحن سنجی کے قبضۂ قدرت میں ہین دوسرے کو حاصل نہیں ؎

نہ بھولنے کی تم ہو شے نہ تم ہو چھوٹنے کی شے
قسم خدا کی تم ہو دل میں اور دل بغل میں ہو

نظر مین کھپ کے نور بن کے تم مری نظر مین ہو
جمال بن کے دل میں ہو خیال بن کے سر میں ہو

پہلے شعر میں دوسرا مصرع بلاغت معنوی سے لاجواب ہی، اور دوسرے شعر میں جتنے ٹکڑے ہیں سب جواہر کے ٹکڑے ہیں۔

شوہر نے عورت کی محبت کو اپنے جذبات قلبی کے ساتھ ظاہر کرکے اسکی یاد کو تازہ رکھنے کی جو تصویریں کھینچی ہیں، یہ اردو کی شاعری میں حضرت قدوائی کی سحرالبیانی کے سوا اور کسی کے قلم سے کھینچی ہوئی نظر نہیں آئیں۔ گویا فطرت کے مجسم نقشے نہایت خوشنما اور دلفریب لباس میں پیش نظر ہیں۔ وہ یاد دلانے والے نقشے حسب ذیل ہیں۔ اگرچہ یاد کے متعلق بہت سے اشعار ہیں۔ میں چند اشعار تحریر کرتا ہوں ؎

تمھاری مسکراہٹوں کو یاد کر رہا ہوں میں
کھلیں جو دانت اس ادا پہ صاد کر رہا ہوں میں

یہ ادا سے خاص اور پھر لطف قافیہ دونوں قابل صاد ہیں۔

وہ بال کھول کر کبھی جو تم نے سر کو تھامنا
لچک پڑے بدن تو پھر لپک کے در کو تھامنا

عورتوں کی عادت ہی کہ سر کے بالوں کو کھول کے لٹک پیچ کھولنے کو ہاتھوں سے جھٹک دیتی ہیں اس ادا کے ساتھ عورت کی فطری نزاکت کو کس لطف سے دکھایا ہی یعنی جھٹکے سے سر گھومتا پہنچا تو سر کو تھام لیا اور جھٹکے کی حرکت سے نازک بدن لچکا تو لپک کے در کو تھام لیا۔

اس فصاحت اس لطافت اور ایسی فطری حالتوں کو اس خوش اسلوبی اور اس قدر دلپذیر

کے ساتھ ایک سیدھے سادے الفاظ کے شعر میں بیان کر دینا حضرت شوق قدوائی کی سحر البیانی اور انتہائے قدرت کلام کی واضح دلیل ہے، گویا زبان پر ایسا مستحکم قبضہ ہے کہ جس ادا پر خیال کیا اسکی پوری شبیہ نظم سے پیش کر دی ۔

گلوریوں کی صورتیں وہ خوشنما تنی تنی — سپید پان اوپر اور اندر اُس کے بستی

یہ لکھنؤ کی گلوریاں ہیں بستی پان لکھنؤ میں وہ کہے جاتے ہیں جو نہ بہت ہری ہوں نہ بہت سپید، خوش مزہ ہونیکے سبب عمائدین انھیں کا رواج ہے مگر گلوریوں کی خوبصورتی کیلئے ایک پان بہت سپید اوپر رہتا ہے ۔ شاعر نے کس فصاحت سے ان گلوریوں کی اصل دکھائی ہے ۔

وہ ہار مجھکو یاد ہے کہا تھا دیکھ کر جسے — ہیں موگرے کے پھول کم نہیں پہنتی میں رات

کر رخصت بو سے ہے سر میں درد ہوگا دو تو ڈال دو — نہیں تو کامنی کے پھول ہیں جنکا تم نکال دو

کیا اس سے زیادہ زبان کی فصاحت اور ترکیب سخن کی لطافت کے ساتھ نازک دماغ عورت کی فطری حالت کا اظہار سوا حضرت شوق قدوائی کے اور کوئی شاعر نظم سے کر سکتا ہو؟ اس وقت تو ہندوستان میں اور کوئی نظر نہیں آتا۔ آئندہ کا حال خدا جانے ۔ دلیے کے پھولوں کی خوشبو ہلکی ہوتی ہے ۔ اور کامنی کے پھولوں کی بو کرخت ۔ عورت کی فطری نزاکت کے ساتھ ان پھولوں کی فطری حالت بھی دکھا دی ۔ دوسرے شعر کے ٹکڑے ایسے رسیلے ہیں جو سخن کو عرش معلے پر لے گئے سبحان اللہ سبحان اللہ ۔

زری کرتے وہ چڑھ کر چبھتی ہے وہ نازنین — پسند صرف ململ اور گلبدن بنارسی

اس سے دماغ کی نزاکت کا اظہار تھا اور زری کرتے جسم کی نزاکت کا، اس شعر کے مصرع دوم کا قافیہ کیا لطف دے رہا ہے ۔

اب چوڑیوں سے ہاتھوں کی نزاکت دکھائی جاتی ہے ۔ حق یہ ہے کہ ذیل کے دونوں

اشعار موتیوں کی دو لڑیاں ہیں - ٥

وہ چوڑیوں کا پھیرنا کہا تھا دیکھ کر جھنین ۔ جھبھیں گے ان کے گوکھرو نہ بہنوں کی کہنیاں
لو دل کے لائیں ایسی چوڑیاں بڑے میاں ۔ کہ تین تین بانکیں چار چار ہوں کرلیاں

لکھنؤ میں گوکھرو کی چوڑیاں بہت خوشنما اور قیمتی بنتی ہیں لیکن انکے گوکھرو ٹوٹ کے ہاتھوں میں چبھتے ہیں۔ اسی سبب سے نازک مزاج عورتیں نہیں پہنتیں۔

پہلے شعر سے ان چوڑیوں کی حالت دکھائی گئی ہے اور دوسرے شعر میں سادگی کی ادا ظاہر کی گئی ہے یعنی صرف بانکیں اور کرلیاں جو اپنی سادگی سے نزاکت کے لیے موزوں ہیں "بڑے میاں" کے الفاظ جو لطف دے رہے ہیں زبان دان ہی اسکو سمجھ سکتے ہیں ایک عورت کی زبان سے یہ الفاظ کسقدر زیبا ہیں اور معمولی حال کا بے تکلفانہ مذاق کس خوبی سے ظاہر کر رہے ہیں قلم سے اسکی تعریف کہانتک کی جائے نگاہیں دیکھیں اور دل لطف اٹھائیں۔

بانکیں وہ چوڑیاں ہیں جنمیں لہر ہوتی ہے اور کرلیاں وہ ہیں جنمیں لہر نہیں ہوتی بیچ میں بانکیں اور ادھر ادھر کرلیاں پہنی جاتی ہیں تین تین اور چار چار کی تکرار سے دونوں ہاتھوں کی چوڑیوں کا اظہار کیا گیا ہے چونکہ عورتیں ہمیشہ طاق کا شمار چوڑیوں میں رکھتی ہیں اس وجہ سے سات سات چوڑیاں دونوں ہاتھوں کے لیے چاہی گئی ہیں۔ اللہ ری قوت بیانیہ ارباب ذی فہم اس لطف بیان کا اندازہ فرمائیں کہ نظم کیا ہے گویا نثر میں بات چیت ہو رہی ہے۔

اب شوہر ایک اور دلچسپ واقعہ کو یاد کرتا ہے ٥

گر ازمٹ وہ ایک شب جو اٹھ کر بلاق سے ۔ تم اسکو ڈھونڈنے لگیں اٹھ کے طاق

یہ تخیل جو رُخ بدل کے ایک واقعہ کیجانب پھری ہو کمال شاعری پر دال ہو واقع کی تصویر کیسی
عمدہ اور کس لطیف اصلیت کے ساتھ کھینچی گئی ہو۔ طاق کا قافیہ کتنا نفیس اور چراغ کی ضرورت سے
کیسا لپٹا ہوا ہو۔ یہ سخن سنجیاں لاجواب اور یہ فطری ادائیں بے مثل ہیں، زبان ہو کہ چلتا جادو
اب شوہر شائستگی کیساتھ عورت کی طنز یہ نوک جھونک کا جواب دے کے قسموں کے ساتھ
اپنی محبت اور وفا کا اُسکو یقین دلاتا ہو۔

قسمیہ اشعار بہت ہیں اور نہایت لطیف لطیف ہیں۔ مگر میں بخوف طوالت چند اشعار
لکھکر ارباب فہم کے فصاحت پیرا خیالوں اور بلاغت سنج دماغوں کے سامنے پیش کرتا ہوں ؎

قسم تمھاری نگاہوں کی جن کی ہر نظر بلا — قسم تمھارے ابروؤں کی جن کے بس میں کربلا
قسم تمھارے دل کی جسمیں بارہا پھرا ہوں میں — قسم تمھارے سوسوں کی جنمیں ابھرا ہوں میں
قسم تمھارے اُس سخن کی طنز جسکا کام ہو — قسم تمھاری اُس چھری کی ناز جسکا نام ہو
قسم تمھاری اُس ہنسی کی جس سے گل کھلا کرے — قسم تمھاری اس زبان کی مجھ سے جو گلا کرے
قسم شکن کی جب جبیں پہ ناز اُسکو ڈالدے — قسم صدا کی بات کو جو بنکے ساتھ ٹالدے
قسم ہو بیرخی کی جسکو پھر کے رُخ عیاں کرے — قسم ہو خامشی کی جب نگاہ کچھ بیاں کرے

ایسی نازک خیالیوں کی دلفریب نظمیں اردو میں اب تک تو نظر نہیں آئی تھیں۔ ہاں! اب
حضرت شوق قدوائی کی طباعیوں اور جدت آفرینیوں نے قوت بیانیہ کے اعجاز سے شاعری
کے جسم مردہ میں نئی جان ڈالی ہو، اور یہ بات ثابت کردی ہو کہ اگر زبان اُردو میں کمال
اور قوت تخیل حاصل ہو، تو مشکل سے مشکل مضامین اور نازک سے نازک خیالات کو
فصاحت کے ساتھ نظم کردینے کے لیے الفاظ اُردو میں کافی وسعت موجود ہو۔

"ریویو" طویل ہو گیا۔ اگرچہ نقد کی وسیع خوبیوں کے ساتھ ابھی مختصر ہی ہو خیر اب

میں درمیانی اشعار کو چھوڑ کے اصل نظم سے متعلق آخر کا ایک لاجواب اور لاثانی شعر لکھ کے اس ریویو کو ختم کرتا ہوں۔

عورت نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ گھر میں انار کا پیڑ ہے اور اس پر ہر روز پپیہے آتے ہیں وہ مجھ پر ترس کھا کے اور مجھی شرم سے چپ پا کے تم کو (یعنی شوہر کو) پکارتے ہیں (یہ مطلب "پی کہاں" کی آواز سے ہے) شوہر نے جواب میں لکھا سے

پپیہے خوش رہیں کہ وہ مجھ بلاتے ہیں جواب کہیں وہ "پی کہاں" تو تم کہو کہ آتے ہیں

شوہر کی آمد آمد سے عورت کو تسکین دینے والا شعر اور پپیہوں کے استفسار کا جواب کیا اس سے زیادہ لطیف، فصیح، دلچسپ، اور پُر اثر ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! مصرع ثانی کا آخری ٹکڑا اس قدر لطیف ہے جس نے شعر کو اوج کمال پر پہنچا دیا ہے۔

اب میں ریویو کو ختم کرتا ہوں اور خدا سے دعا مانگتا ہوں کہ وہ حضرت منشی احمد علی صاحب شوق قدوائی کی عمر میں برکت دے، اور ہمیشہ نظر بد سے محفوظ رکھے، اُن کی بدولت سرزمین سخن پر ایسے گران بہا موتی بکھرے ہیں جن کو ارباب فہم و اصحاب مذاق لطیف کی نگاہیں شوق سے چن رہی ہیں۔

سید مقصود علی آسیونی

چوتھا رُخ

شوہر نے خط میں لکھا تھا کہ میں بیسویں دن آؤنگا، آج بیسواں دن ہے عورت انتظار میں اپنے خیال سے باتیں کر رہی ہے

خط کو ہو بیسواں دن آج آئیں گے وہ ضرور ہی
"ان" کی صدا سنے تو پھر ہو نہ سکے جگر سے صبر
کیا میں جگر کو تھام لوں کیا میں نظر کو پھیر لوں
"وہ" ان کی کشش میں آ کے رخ پھر نہ سکے تو کیا کروں

اور اگر نہ آئے "وہ" بس یہ شک ستم کا ہے
شک سے پڑی ہیں سوچ میں ڈرتی ہوں یاس آ نہ جائے
آتے ہی یاس کا خیال کانپ اٹھی ہوں ڈر کے میں
یاس سے ہوں جلی ہوئی اس کو میں ٹھوکروں ہٹا رہیں
آئیں گے یا نہ آئیں گے دل مرا کاش بول اٹھے
بول اٹھا وہ یار دل کہتا ہے آ رہے ہیں "وہ"
دیکھ رہی ہوں [illegible] چہرے پہ رنگ آ گیا

کیا میں کھنچی ہوئی رہوں "ان" کی نظر دوسری رہی
پا کے "انھیں" کبھی نہ ہو رہی ہوئی نظر سے صبر
کیا "وہ" ادھر سے آئیں تو رخ میں ادھر کو پھیر لوں
دل سے کروں نہ دور میں دل جو جھکے تو کیا کروں

آ مرے دل میں او امید وقت ترے کرم کا ہے
اس سے چڑھی ہوئی ہوں میں وہ مرے پاس آ نہ جائے
ڈر نہیں دل میں ورنہ آج بیٹھی بند کیے ہیں
ہٹ مرے دل سے او شک آج پاس ہیں تیری آہٹیں
ناخن اگر بنے تو یہ شک کی گرہ کو کھول دے
میرے لیے بہت سا چین تحفے میں لا رہے ہیں "وہ"
دل نے کیا ہے سرخ رو ورنہ کہاں سے پا گیا

دل کو ملا کہاں سے یہ رنگ اس کو ملا امید سے
پائیگا یہ کچھ اور بھی آج ہی "ان" کی دید سے

کل مرے سر میں تھا جنون آج ہی کچھ غرور سا
کل مرے دل میں تھا ملال آج ہی کچھ سرور سا

اپنے لبوں پہ بار بار پاتی ہوں میں تبسم آج
خوش ہوا ہے مری لبوں کہتے ہو "دیکھ" تم آج

گھر کی زمین جاگ اٹھی صحن پہ نور چھا گیا
آئیں گے "وہ" ضرور ہی مجھ کو یقین آ گیا

ناچ رہا ہے خوب آج سُن کے ہوا ہے مور خوش
اسکو بھی مل گئی خبر پھرتا ہے کیا چکور خوش

آ کے پپیہے پڑے پر اب جو کہیں گے "پی کہاں"
ان سے کہونگی ہنس کے میں بیٹھے ہیں دیکھو پی یہاں

دل تو خفا نہیں مگر میری نظر جھکی رہے
بعد کو بات چیت ہو پہلے زبان رکی رہے

پا کے "انھیں" رُکے زبان اسمیں کہاں یہ ضبط ہے
اسکو تو بول چال میں انکی زبان سے ربط ہے

سُننے کو میں سُنوں مگر بن بھی سکونگی یا نہیں
کہنے کو میں کہوں مگر تب بھی سکونگی یا نہیں

ہنس کے شگفتگی خوشی رُخ سے جو کھل پڑے تو پھر
لطف کے ساتھ کر کے میل اُن سے نظر لڑے تو پھر

ہونٹھ تو میرے بس کے ہیں انکو سکھاؤں جنگ میں
لیکن اُڑاؤں کس طرح رُخ سے خوشی کا رنگ میں

ترسی ہوئی ہیں پتلیاں چین سے کب وہ سکیں
شوق سے بیقرار ہوں گرچہ یہ کچھ نہ کہہ سکیں

دل یہ کہیگا میل کر لب یہ کہیں گے بول دے
حسن کہیگا ہاتھ سے تو مرے رخ کو کھول دے

آپ ہی بڑھ چلیں گے پانوں آؤنگی ہٹ کے سامنے
لائیں گی شوخیاں مجھے گھونگھٹ الٹ کے سامنے

شکل کشمکش کی بن پڑی دل کو جو روک تھام لوں
پھر کی ملیں نگاہیں یوں جبر سے دل کا کام لوں

بن کے بلائیں انکے سر آج پڑوں ضرور ہی
دل میں ہنسا کروں مگر منہ سے لڑوں ضرور ہی

خط میں گلے میں لکھ چکی اور گلوں میں لطف ہے
ہوگی مزے کی نوک جھونک گرچہ لبوں میں لطف ہے

آنکھ مری جو اٹھ ہی جائے جلد نظر کو پھیر لوں
صرف نظر ہی کیا نہیں بلکہ میں سر کو پھیر لوں

آئیں جو رُخ کی سمت "وہ" ہاتھوں سے منہ چھپا لوں میں
جھانک کے انگلیوں سے ان کو چھپ کے دیکھ لوں میں

دانت مرے دبائیں گے تا کہ رہے زبان بند
کچھ وہ "کہیں تو انگلیاں اُٹھ کے کریں گی کان بند

ایک پلک سے دوسری بند رہے ملی رہے
جیسے انار کی کلی سوکھ کے بے کھلی رہے

نیچے کے لب پہ دانت ہوں اور نظر زمیں پہ ہو
ہاتھ مرے جگر پہ ہو اور شکن جبین پہ ہو

میرے لبوں پہ گر ہنسی آنے لگی چھیڑ چھاڑ میں
ہاتھ میں لے کے پنکھیا منھ کو کروں گی آڑ میں

لب ہلیں خدا کرے میں جو انھیں ہلاؤں بھی
اُن سے "ملیں نہ چتونیں چشم انھیں ملاؤں بھی

سر کو میں اٹھاؤں بھی تو نہ اُٹھے جھکا رہے
دل کو جو میں بڑھاؤں بھی تو نہ بڑھے رکا رہے

کچھ جو "وہ" دیں جواب تو نہ ہوں ۔ ہوں تو نہیں نہیں کے بعد
لاکھ رکاوٹوں کے بعد لاکھ چنان چنیں کے بعد

بول اُٹھوں تو ہو صدا اُن سے روش زبان کی
وہ جو کہیں زمین کی میں کہوں آسمان کی

"وہ" سر خط کی چٹکیاں یاد دلائیں گے مجھے
چھیڑنے کو ہنسیں گے خود اور ہنسائیں گے مجھے

مکر سے بدگمان ہوں اپنی ہی رکھوں ٹیک میں
لاکھ نہیں نہیں کریں اُن کی نہ مانوں ایک میں

دل جو نہ مانے تو انھیں ترچھی نظر سے دیکھ لوں
تھے کواڑ میں دراڑ جا کے اُدھر سے دیکھ لوں

مجھ سے "وہ" مانگیں پان دونگی ضرور پان میں
پھیر کے منھ بڑھاؤں گی ہاتھ سے خاصدان میں

میری دغا کے جال میں کیا "وہ" اُلجھ ہی جائیں گے
صاف مرے دل کی عجز میں یہ "وہ" سمجھ ہی جائیں گے

"آئی لبوں پہ "وہ" ہنسی یہ کہیں او ہنسائیں تو
لاکھ دباؤں میں مگر لب کے کھل ہی جائیں تو

دل میں جو گدگدی سی ہو رک نہ سکے کبھی ہنسی
باتیں ہی یہ ہنسی کی ہیں آنے لگی ابھی ہنسی

اُف نہ مجھے اُس کا سوچ کیا دل میں تو کچھ بھی نہیں
اپنی دغا کو چھوڑ دے دل مرا ایسی تو نہیں

دل میں بسے ہوئے ہیں "وہ" آئینہ ان خیال انھیں کا ہے
دل مرا ہو وہ آئینہ جس میں جمال انھیں کا ہے

پھیلے ہیں روح بن کے وہ میرے تمام جسم میں
میری حیات ہیں وہی جان ہیں نام جسم میں

اور مرے دل کی کشش کچا دھاگا کہ "وہ" کھنچ کے آرہے ہیں
میں بغیر علیحدہ یا ہی جاؤں دم مجھ جاؤ ہی چلی نہیں

جنگ کو ہو رہی ہے دیر اور دہ مزے کی بات ہے   دل کو لبھانے ناز سے حسن کی یہ بھی گھات ہے
اب تو یہ فکر ہے کہ آج کچھ تو سنگار چاہیئے   ٹوٹ گیا ہے کل بلاق، سونے کا تار چاہیئے
شوق کے پاس بھیجدوں ایک ذرا سا تار کیا   دام نہ لیں وہ، تو نہ لیں تار کا ایسا بار کیا
ہاتھوں میں چوڑیاں ہیں کم ٹوٹ کے گر گئیں کئی   آئیں گے ایسے بڑے میاں اُن سے منگاؤنگی نئی
مجھ کو بھی سادگی پسند اُن کو بھی سادگی پسند   پہنوں سپید ہی لباس ہوگا انھیں بھی پسند
بیلیں ہوں یا ہوں بوٹیاں جتنی ہیں کامدانیاں   چند دوپٹے پھاڑ لوں رکھی ہیں جامدانیاں
بیل کٹاؤ کی ابھی چوک سے میں منگا نہ لوں   لائی ہے اچھی ایک بیل اسکو بھی لوں میں ٹانک لوں
بیل چکن کی ہے مگر کچھ بھی نہیں دُہلی خراب   ایک تو تر بتی بُری دوسرے تیچی خراب
کس سے منگاؤں بیل میں سب سے خفا ہیں وہ تو آج   لڑکے گئے دُلھن سے وہ بگڑے ہوئے ہیں تیور آج
کیوں نہ کہوں بوا سے میں خود وہ بناتی ہیں کتاؤ   چوک سے لیتی آئے وہ جائے جو لینے نان پاؤ
ہار میں گوندھ لوں اگر پھول ہوں خانہ باغ میں   اب کے برس تو ہو گیا گھر میں کھلا نہ باغ میں
ہو ہی رہیگا یہ تو سب مجھ کو خیال ایک ہے   ساس چپ او زبان پہ تند ضرور نیک ہے
اسکی سی بس کی گانٹھ اور کوئی نہ ہوگی شہر میں   رکھی ہے منھ میں اک چھری اُس نے بجھا کے زہر میں
جب وہ جلی سی لال ہو گال ہوں گرم دو توے   خود تو ہے لہسن اور دانت جیسے چھلے ہوئے چنے
دیکھ کے یہ چمک نہ کٹ وہ مرے روپ سے جلے   ریت میں کوئی جیسے چنے جیٹھ کی دھوپ سے جلے
آج مجھے بھی ہے گھمنڈ طنز کا کچھ بھی غم نہیں   اسکو جو ہے کسی پہ ناز میں بھی کچھ اس سے کم نہیں
لیتی ہے دل میں چٹکیاں کرتی ہے دل کا خون وہ   لاتی ہے گھر سے اپنے ساتھ میرے لئے جنون وہ

اے لو حضور آ گئے بندی غنو سنتی ہی رہی
بن نہ پڑا سنگار کچھ حوصلہ کرتی ہی رہی

چوتھے رُخ پر ایک نظر

"عالم خیال" کے نام سے مسلسل چار نظمین منشی احمد علی صاحب شوقؔ قدوائی کی تصنیف کی مختلف رسالون میں اشاعت پذیر ہو چکی ہیں جنکو ایک ہی زنجیر کی چار کڑیان کہنا زیبا ہے۔

حصہ اول پر مسٹر مشیر حسین قدوائی بیرسٹر ایٹ لا نے حصہ دوم پر مسٹر محمد سلیمان بیرسٹر ایٹ لا نے اور حصہ سوم پر سید مقصود علی صاحب آسیوانی وکیل نے ریویو تحریر فرمایا ہے ہر ریویو اپنے حصہ نظم کی شاعرانہ خوبیون اور اُسکے لطیف جذبات کا معقول شارح ہے، اور اشعار کے ربط باہمی کو آشکارا کرکے ہر طرز بیان کی ضرورت کو عالم خیال سے عالم ظہور مین لا رہا ہے۔

دو قابل بیرسٹرون کے نظارے معمولی نہین ہین۔ انکی وسیع نگاہین انگریزی کے مذاق فطری اور جذبات انسانی کو اپنے دماغون اور دلون مین مجتمع کیے ہوے ہین اور اُن کے فلسفیانہ خیالات کی جولانیان فلسفہ اخلاق و معاشرت کے مراحل کو طے کر چکی ہین، جن کا میدان بہ نسبت اُردو فارسی کے انگریزی علم ادب کی قلمرو مین وسیع تر ہے۔ لہذا ان نظمون کی ان خوبیون پر جو فیصلے ان دونون کے ہین ناطق ہین۔

ہر دو قابل بیرسٹر تحریر فرماتے ہین کہ ایسے جذبات کی مسلسل نظمین انگریزی میں بھی نہیں ہیں اور سہ ہر سہ ریویو نگار تسلیم فرماتے ہیں کہ اردو میں اس قسم کی دلفریب نظمون کے موجد حضرت شوقؔ قدوائی ہی ہوے ہین جنھون نے فصیح زبان لطف بیان فطری جذبات اخلاقی خیالات اور ایشیائی طرز معاشرت کی دلکش اداؤن کے ساتھ عفت مآب عورتون کے جذبات

دلی کو اسطرح دکھایا ہی کہ گویا زندہ صورتیں پیش نگاہ ہین۔ آج یہ کمال سخن سرائی حضرت شوق قدوائی ہی کی ذات پر منحصر ہی اور بس۔ اب مجھے ان ہر دو امور پر بحث اسکے اور کچھ عرض کرنیکی ضرورت نہیں ہی کہ مین قابل ریویو نگاروں سے لفظاً بہ لفظ متفق ہون۔

جذبات انسانی اور فطری ہیجان طبعی پر فلسفیانہ اور سخن سنجانہ بحث فاضل بیرسٹر دونے اپنی قابلیت اور ماہیت کے ساتھ کی ہی نیز مذاق سخن اور اسکے نکات کو افضل اور پھر حضرت وکیل نے اسقدر خوبی اور پر تجربہ دلائل کے ساتھ دکھلایا ہی کہ اس صنف پر بھی گنجایش تحریر زیادہ نہیں باقی رہی۔ البتہ صرف ایک امر زمانۂ حال کی سخن سرائی پر غور طلب ہی وہ یہ کہ قدیم طرز سخن کی اور جدید طرز سخن دونوں کی صورتیں اسوقت بگڑی ہوئی کیون ہین؟ میری راے مین مطابع کی زیادتی اور رسالون کی کثرت سے ذرایع اشاعت میں آسانی ہوئی ناواقفان فن سخن سرا بن گئے۔ رسالون کے ایڈیٹرون مین یا تو سخن سنج اور سخن فہم کم ہین یا سمجھے بوجھے کو اگر ہی تو بھی سامان ہی کرین کیا۔ لیکن ان اغلاط اور اصول علم و فن سے متجاوز نظموں کے شایع کرنے سے زبان شعر و ادب کے خرابی کے اسباب مہیا کیے جاتے ہین۔

اگر کبھی حشر شادی ہوا اور ہرسے بارا سے سخن پاے گی تو زبان اُردو اور فن شعر کے خون ناحق کا مواخذہ انھین حضرات سے ہوگا جو اغلاط اور بے اصولی سے ان کے گلون پر جہل کی چھری بار بار رکھا کر پھیر رہے ہین۔

خیر وہ زمانہ قریب ہو یا دور اُنکے زائل کرنے سے زائل نہیں ہوسکتا۔ مگر مین دو سخن بر جناب شوق قدوائی کے سے یکتاے فن و سخن موجود ہین (خدا عمر مین بہت برکت دے) جن کی سحر بیانی نے 'حسن' اور 'عالم خیال' نیز اور بہت سی فطری مذاق کی مثنویون اور لاجواب نظموں سے سخن پرست دماغوں اور نگاہوں کو منور کر دیا ہی۔

اب میں ان مباحث سے رُخ کو اصلی نظم یعنی "عالم خیال کے چوتھے رخ" کی جانب پھیرتا ہوں جس کی لطافت اور خوبی بیان کی نزاکتوں نے میرے دماغ اور دل کو گرویدہ کرلیا ہے

شوہر نے خط میں لکھا تھا کہ میں آج کے بیسویں دن آؤں گا آج بیسواں دن ہے عورت انتظار میں اپنے خیالات کے ساتھ باتیں کررہی ہے۔

خط کو ہے بیسواں دن آج آئینگے "وہ ضرور ہی" کیا میں کھنچی ہوئی رہوں انکی نظر سے دور ہی

لفظ "ضرور" یہ ہی" کا زور دے کے عورت نے اپنے یقین کو شوہر کے آج آنے پر مستحکم کرلیا اب مصرعہ ثانی کی بنیاد "عالم خیال" کے دوسرے رُخ پر ہے۔ وہ عورت کا حسرتناک خط ہے جسمیں وہ بہت سے شکوے اور طعن آمیز گلے شوہر کو تحریر کرچکی ہے اسوقت سوچتی ہے کہ کیا میں ان شکووں کی بنا پر شوہر سے کچھ اظہار ترش کروں اور دور رہوں اس خیال کے ساتھ ہی جوش محبت نے جو باعصمت عورات کا خاصہ ہے اسکے دل کو تمنا کی جانب پھیر دیا اور وہ اپنے خیال سے یوں اظہار مجبوری کرنے لگی ہے۔

اُن کی صدا سنتے تو پھر ہو سکے جگر پہ صبر   پاکے اکیلے میں کبھی ہو ترسی ہوئی نظر سے صبر

باعفت عورت جو مصائب ہجر ان میں سالہا سال سے مبتلا رہی ہے۔ یہ شعر اُسکے جوش تمنا کی سچی حالت کا نقشہ کھینچ رہا ہے "ترسی ہوئی" کے الفاظ نے اور بھی تمنا کو قوت دی ہے۔

عورت نے پھر اپنے دل سے ایک ایسا سوال کیا ہے اور خود ہی ایسا جواب دیا ہے کہ دونوں کا لطف میرے دل کو جنبش میں لا رہا ہے یعنی دل دھڑک رہا ہے پہلا شعر سوال ہے اور دوسرا شعر جواب ہے۔

کیا میں جگر کو تھام لوں کیا میں نظر کو پھیر لوں کیا وہ ادھر سے آئیں تو رخ میں ادھر کو پھیر لوں
انکی کشش میں آکے رخ پھر نہ سکے تو کیا کروں دل سے کروں تو زور میں دل جو جھکے تو کیا کروں

واہ! جناب شوق! سبحان اللہ! شعر کیا فرمائے ہیں منھ سے موتی اگلے ہیں۔ میری عمر کا زمانہ بھی اشعار کو دیکھتے ہی گذرا ہے۔ لیکن ایسے فصیح اور دلکش اور پاردا اشعار جنمیں فطری اداؤں کے ساتھ جذبات کوٹ کوٹ کر بھر دیے گئے ہوں سوا ان نظموں کے نہ آج تک دیکھے نہ سنے۔

شعر اول اپنے مصرعہ اولی سے کس فصیح اور سلیس الفاظ میں ارادہ ضبط اور اسکی صورت کا اظہار کر رہا ہے اور مصرع ثانی ادھر اور ادھر کے الفاظ سے آنے اور رخ پھیرنے کی کیا دلآویز ادائیں دکھا رہا ہے۔

دوسرے شعر کی رفعت نے عرش معلی سے ٹکر کی ٹھہرا دی۔ مصرعہ اولین جس کی کشش سے رخ کے نہ پھر سکنے کا اظہار کر رہا ہے اس کا لطف اصحاب معنی فہم کے قلوب اثر پذیر سے پوچھا جائے۔ مصرع ثانی نے اور بھی قیامت کر دی۔ فرقت زدہ کا دل جو ناتوان ہو رہا ہے اسکا زور کر کے تھک جانا۔ یا ایسا حسن بیان ہے کہ اس سے بہتر اس موقع کے لیے اور ہو ہی نہیں سکتا۔ اس تھکنے کا نتیجہ نکلتا ہے کہ رخ کھنچ کے سامنے ہو ہی جائے گا۔

اب مقتضائے فطرت عورت کو وہم نے گھیرا کہ مبادا آج شوہر نہ آئے تو کیا کہتی ہے ـ

اور اگر نہ آئے وہ ہائے یہ شاک ستم کا ہے آمرے دل میں اے امید۔ وقت ترے کرم کا ہے
شک سے پڑی ہیں سوچ میں ڈس نہ ہو پاس آکے جب اس سے چڑھی ہوئی ہوئیں یہ مرا پاس آکے جلے
آتے ہی یاس کا خیال کانپ اٹھی ہوں ڈر کے میں ورنہ میں دل میں درد آج بجھتی بند کر کے میں
یاس سے ہوں جلی ہوئی اسکو میں جھونکوں بھاڑ میں ہٹ اے دل سے ہوا و شک آج یاس ہے تیری آڑ میں

شعر اول کے مصرع اولیٰ میں "ہائے" نے حسرت انگیز خیال پر جان ڈال دی ہی مصرع ثانی میں امید پکار رہی گئی ہی یہی ایک چیز ہی جس سے ایسی حالت میں قلب حزین تسکین پا سکتا ہی امید کو کرم کا وقت بتایا گیا ہی۔ وقت کا لفظ جو یہاں "ضرورت" کے معنی دے رہا ہی اُسنے عجب لطف پیدا کیا ہی شعر دوم میں پیرے سے خوف کا اظہار ہی جسکے خیال نے شعر سوم میں وہ لطافت پیدا کی ہی جو باعتبار حالت اور باعتبار سخن سنجی جسقدر مصرع اولیٰ سے صورت حال ہی اُسی قدر مصرع ثانی سے بلند پایہ ہی۔ یہ بیان کہ دلمیں دروازہ نہیں ہی ورنہ آج بند کر کے بیٹھتی تاکہ اس غم آ سکے، کتنا رفیع مضمون اور کیسا دلفریب ہی شعر چہارم میں جو لطف "جلی جلی" اور "چولہے کو بھاڑ میں" ان دونوں محاوروں سے پیدا ہوا ہی جن سے عورت کی بے شکار دل کا حال پیش نگاہ ہی اس لطف کی داد دل سے دی جائے۔ اسی شعر کے مصرع ثانی میں شاعر نے یہ کہکر ہٹایا جاتا ہی کہ پاس تیری آڑ میں ہی مضمون اور قافیہ دونوں کمال مضمون آفرینی کے لعلِ لاثانی ہیں۔ معمولی شاعر کا خیال نہ اتنی بلندی تک پہنچ سکتا نہ اسکی زبان بندش مضمون کے واسطے ایسے فصیح اور سلیس الفاظ پا سکتی ہی۔ یہ قدرت کلام قوت بیان اور لطف زبان جناب شوق قدوائی ہی کے مفتوحہ اور مقبوضہ ممالک ہیں۔ انہیں اقلیم پر سکۂ سخن چل رہا ہی اور بس۔

اسکے بعد ... نے اپنے دل سے سوال کیا ہی۔ اسکا دل بول اٹھا کہ آتے ہیں اور بہت سا چین میرے واسطے تحفہ میں لاتے ہیں۔ یہ معنی آفرینی کے لحاظ سے کیسا نیا، اور واقعے کے اعتبار سے اسقدر صحیح ہی عورت کا دل بول کے آنیکی خبر دیگا۔ تو اسنے یقین کا استحکام کیسے کیسے مسرت خیز خیالات سے کرتی ہی اور کیا فرحت انگیز شگون لیتی ہی۔ وست

دیکھ رہی ہوں آرسی چہرے پہ رنگ آ گیا — دل نے کیا ہی سرخ رو ورنہ کہاں سے آ گیا

دل کو ملا کہاں سے رنگ اسکو ملا امید سے | پائیگا یہ کچھ اور بھی آج ہی اُن کی دید سے
کل مرے سر میں تھا جنون آج ہی کچھ غرور سا | کل مرے دل میں تھا ملال آج ہی کچھ سرور سا
اپنے لبوں پہ بار بار پاتی ہوں میں تبسم آج | خوش ہو اسی مری لبو کہتے ہو اور کچھ تم آج
گھر کی زمین جاگ اُٹھی صحن پہ نور چھا گیا | آئیں گے "وہ" ضرور ہی مجھ کو یقین آگیا

آرسی میں چہرے کے رنگ کو دیکھ کے کہتی ہے کہ یہ امید سے ملا ہے رنگ امید کو شعرا نے الفاظ میں تو دیکھا ہوگا، مگر جناب شوق قدوائی نے اسے چہرے پر نمایاں کر دیا گویا یہ رنگ حضرت ہی کے سخن لاجواب کے واسطے وضع کیا گیا تھا۔

شعر سوم میں لفظ غرور جو لطف اور بلند معنی دے رہا ہے اسکی داد دینا ہے قلم سے زیادہ ہے اور اسی کے برابر کا قافیہ سرور ہے جسکا مزہ دل سخن فہم سے پوچھا جائے۔ عورت کی فطرت کا خاصہ کہ شوہر پر اسکو گھمنڈ ہوتا ہے اس فصیح اور لطیف شعر نے ظاہر کر دیا۔

شعر چہارم میں لبوں پر بار بار تبسم کا آنا بیان کیا گیا ہے یہ بھی مسرت دلی کی فطری روش ہے۔ اسی شعر کے مصرع ثانی میں لبوں کی جانب مخاطب ہوکے یہ کہنا کہ کہتے ہو اور کچھ تم آج یہ کس قیامت کا ٹکڑا ہے۔ اسکو جواہر کا ٹکڑا نہیں بلکہ دل کا ٹکڑا کہنا چاہیئے اور اُس کا مزا بھی وہی دل پا سکتا ہے جسکو چاشنی مہر و وفا کے ساتھ چاشنی سخن بھی نصیب ہوئی ہو۔ صرف انھیں چھ الفاظ کی شرح لکھنے کا قصد کیا جائے تو دماغ شش و پنج میں پڑ جائے کہ کہاں تک اظہار خیال کروں۔

عورت نے شوہر کے آنے کا یقین دل کی شہادت اور شگونوں سے بہر نوع کر لیا۔ اب وہ ان نازوں کی جانب اپنے خیالات کو منتقل کرتی ہے جن کو وہ کام میں لانا چاہتی ہے۔ فی الحقیقت قدرت نے عورت کے دل و دماغ کی ترکیب ہی میں نازوں کو داخل کر دیا ہے

اور یہی ادائیں ہیں جو حرکات کرشمہ پرداز سے حسن کو قوت جاذبہ دے کے مردوں کے دلوں پر تمنا طلسمی کشش کا اثر ڈالتی ہیں کیسی ہی حسین عورت کیوں نہو اگر اسکی ادائیں دلفریب نہیں ہیں تو قوت جاذبہ نگاہوں سے گذر کر دلوں پر کم اثر انداز ہو سکتی ہے حضرت حافظ شیرازی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا ہے ع

بندہ طلعت آن باش کہ آنے دارد

حسن کا مسئلہ فلسفیانہ ایسا وسیع ہے جسکی تحریر کا یہ موقع نہیں جسکو شوق ہو وہ جناب شوق قدوائی کی مثنوی "حسن" کو دیکھے جسمیں حسن کا وسیع فلسفہ ایسی رنگینی سے بیان کیا گیا ہے کہ گویا گلہائے رنگا رنگ چمن زار اوراق پر کھلے ہوئے ہیں اور اس مثنوی کے فلسفہ کی تشریح حضرت برق بی اے (آنجہانی) نے دیباچہ میں نہایت معقول کی ہے جس سے بلیغ مسائل کا فصیح بیانات سے انکشاف ہو گیا ورنہ بہت لوگ مثنوی کو دیکھ کے فہم نکات سے محروم رہتے۔

بہرحال عورت نے تصور کر لیا کہ وہ دلفریب داؤں کا جال شوہر پر ڈالے گی اب وہ کہتی ہے

دل تو خفا نہیں مگر میری نظر جھکی رہے   بعد کو بات چیت ہو پہلے زبان رکی رہے

اسکی محبت وفا اور سرشت نیک نے اس سے یہ کہلا دیا کہ وہ دل سے خفا نہیں ہے۔ اگر وہ اس امر کو ظاہر نہ کر دیتی تو ضرور اسکا برتاؤ قابل حیرت قرار پاتا۔ اس لیے کہ شوہر اپنے خط میں جو سلسلہ عالم خیال کا تیسرا رخ ہے عورت پر یہ ظاہر کر چکا ہے کہ وہ مجبوری کیسے مدت دراز تک پردیس میں رہا نہ کہ بانداز بیوفائی۔ اور اسی خط میں وہ چند در چند شکلوں سے عورت کی محبت اور اسکی دلخوش کن یاد کا اظہار کر کے اسکو تشفیاں دے چکا اور یہ بھی تحریر کر چکا ہے کہ آج کے مہینے میں وہ وہاں پہنچے گا۔

اداہائے دلفریب کا اظہار بہت سے اشعار میں کیا گیا ہے لہذا اب میں بجا بجا سے اسکے چند اشعار تحریر کروں گا تاکہ ریویو بہت طویل نہ ہو جائے۔

اب عورت اداہائے ناز آفریں پر خیالات کو یوں دوڑا رہی ہے ؎

بننے کو میں بنوں مگر بن بھی سکوں گی یا نہیں
تننے کو میں تنوں مگر تن بھی سکونگی یا نہیں

عورت اپنے جوشِ محبت اور ولولۂ تمنا کا اندازہ کر کے خود کہتی ہے کہ اظہارِ کشش کا تصنع اس سے بن بھی پڑیگا یا نہیں۔ یہ پیش بینی اُس فطری خیال پر مبنی ہے جو اوہام کی کشمکش سے پیدا ہوتا ہے۔

اب وہ مسرتِ قلب سے کشش مصنوعی کے مغلوب ہو جانیکا وسوسہ یوں ظاہر کرتی ہے ؎

بنکے شگفتگی خوشی رُخ سے جو کھل پڑے تو پھر
لب کے ساتھ آکے میل اُن [illegible] تو پھر

ہونٹھ تو میرے بس کے ہیں انکو سکھاؤں جنگ میں
لیکن اُٹھاؤں کس طرح رُخ سے خوشی کا رنگ میں

دل یہ کہے گا میل کر لب کہیں بول اُٹھے
حُسن کہیگا ہاتھ تو مرے رُخ کو کھول اُٹھے

شعر اولیں میں شگفتگی کا چہرہ سے کھل پڑنا کیا لطف پیدا کر رہا ہے۔ یہ بالیقین فطری مسرت ہے شعر ثانی میں ہونٹھوں کو تعلیم جنگ مگر رُخ سے رنگ خوشی کے نا اٹھا سکنے پر [illegible] یہ ایسی شاعرانہ لطافتیں اور نازک خیالانہ مضمون آفرینیاں ہیں جو جناب [illegible] کی قدردانی ہی کے دماغ سحر آفریں اور زبان سحر البیان کے واسطے اس زمانہ میں مخصوص ہیں

اب یہ شعر ملاحظہ ہو جو فصاحت، نزاکت، اور ادائے فطرت کا ایک گنجینہ ہے ؎

بن کے بلا میں اُن کے سر آج پڑوں ضرور ہی
دل میں ہنسا کروں مگر مُنھ سے لڑوں ضرور ہی

بن کے بلا یہ ٹکڑا قلب اداشناس کو جو مزہ دے سکتا ہے اسکی حد نہیں بیان کیجا سکتی زبان کیا ہے معدن جواہر ہے مصرعہ ثانی ہو بہو تصویر فطرت ہے اسکے بعد وہ کہتی ہے ؎

کچھ جو وہ دیں تو یوں نہ لوں یوں تو نہیں نہیں کے بعد
اُنکو رُکا دوں کے بعد لاکھ جتن نہیں کے بعد

مین کہہ چکا ہون کہ زبان معدن جواہر ہی۔ یہ "چناں چنیں" کا قافیہ اسی معدن جواہر کا ایک لعل بے بہا ہی۔ اِس موقع پر بہت سے پرلطف اور زاہاے دلفریب کے اشعار ہین لیکن خیال طوالت مانع تحریر ہی۔

اب عورت اِس خیال پر مائل ہوئی کہ یہ تو جو کچھ ہوگا ہوگا ؎ آج مجھے سنگار تو ضرور کرنا چاہیئے۔ کیسا طبعی خیال ہی کہ جو عورات کی سرشت مین گویا ودیعت ہی سنگار کے واسطے طرز شوہر پسند اور اشیاے مناسب کے فراہم کرنیکا انتظام وہ اپنی تصورات سے کرنے لگی اسی درمیان میں اسکو ایک خیال نے گھیر لیا جسکا اظہار وہ یون کرتی ہی ؎

ہو ہی رہیگا یہ تو سب' مجھکو خیال ایک ہی ساس چپ اوزبان چپ ندھری نیک ہی

اسکے ناقص برتاؤ پر بیساختہ اسکی زبان کچھ کہنے کو تھی، مگر بہ پاس ادب اُس نے "چپ اوزبان چپ" کہکر روکدیا فطری بیساختگی کو لحاظ ادب سے کیا لطیف شکل اور کن عمدہ الفاظ سے روکا ہی کہ سبحان اللہ۔ نند سے وہ بہت جلی ہوئی ہی۔ اُس سے اظہار کدورت "ضرور نیک ہی" ان طنزیہ الفاظ سے کیا گیا ہی۔ یہان نند کی نسبت جو خیالات اُس نے ظاہر کیے ہیں، اسکے دو لاجواب شعر ہین ذیل مین رقم کرتا ہون ؎

اسکی سی بس کی گانٹھ اور کوئی نہ ہوگی شہر میں رکھی ہی ہاتھ میں اگر ٹھی اُسنے بجھا کے زہر مین
جب وہ جلن سے لال ہو گال ہون گرم دو توے خود تو ہی مسی اور دانت جیسے چھپے ہوے جو

شعر اول مین کا محاورہ زبان اور اسکے مصرع ثانی کی نفاست بیان و لطافت معنی بالخلاصہ شعر دوم مین دونوں گالون کی نسبت یہ ذہن انگیز مثال کہ جلن سے گرم ہون تو دو توے ہو جائیں قابل داد ہی۔ اور اسی شعر کا مصرع ثانی اپنی دونون تشبیہات سے لاثانی اور لاجواب ہی یعنی وہ نند خود مسی ہی اور اُسکے دانت چھپے ہوے جو سے ہین۔ کیا ہجو ہی

کہ اس سے بہتر تجواور نہیں ہوسکتی تشبیہات بھی کتنی جدید ہیں چھلے ہوئے کے الفاظ نے جوؤں کی ہیئت کذائی کو دکھادی ناخنوں کیواسطے یہ تشبیہ جدید کس قدر موزوں ہے۔

ذیل مین عورت نند کے حسد کا اصل ظاہر کرتی ہے ؎

دیکھ کے یہ چاپ نہ کٹ مرے روپیٹ سے جلے　　ریت مین کوئی جس طرح جیٹھ کی دھوپ سے جلے

کیا لطافت اور کیا فصاحت ہے کہ ان دونون خوبیوں کیلیے یہ نظم سرمایۂ نازش ہے چاپ دیکھ کو دیکھ کے جلنا۔ ای سبحان اللہ مصرع ثانی تخیل جدید اور لطافت بیان کی رفعت پر پہنچ کے عرش معلی سے باتین کرنے لگا۔ ریت میں جسکی حدت مشہور ہے۔ اسمین جیٹھ دا ماہ ہندی کی دھوپ سے جلنا۔ اللہ رے کلام فصاحت نظام۔ یہ قدرت کلام اور قوت زبان ہے جو بیان کو اوج سما پر لیے جارہی ہے۔ معمولی شاعر کا خیال بھی ریت اور جیٹھ کے الفاظ لاجواب تک رسا نہیں ہوسکتا۔

اس کے بعد سب سے آخری شعر ہے جو قلب اثر پذیر کے لیے ایک عجیب اور لطیف حیرت انگیز حالت پیش کرتا ہے۔ عورت اپنے منصوبوں ہی میں تھی کہ شوہر آگیا تو وہ کس حسرت مگر کس نفیس پیرایہ مین کہتی ہے ؎

ای لو حضور آگئے بندی سنوارتی ہی رہی　　بن نہ پڑا سنگار کچھ، حوصلہ کرتی ہی رہی

بندی کا لفظ کیا محاورے کا لطف دے رہا ہے۔ یہ شعر استعجاب تحیر اور حسرت کی ایسی دلکش تصویر ہے کہ دل بے ساختہ اسکی تاثیر کو قبول کرتا ہے۔

مین نے جسقدر داد دی ہے یہ ایسی بلند پایہ اور لطیف نظم کو دیکھتے بہت کم ہے۔ جسقدر اسکی لطافتین اور کششین جو فطری جذبات سے بھری ہوئی ہین انکو مسخر کرتی ہین اسقدر داد دل ہی دے سکتا ہے۔ زبان خامہ مجبور ہے۔ حضرت حکیم برہم نے

بہت صحیح بات تحریر فرمائی کہ جناب شوق قدوائی کے سخن کی داد روح القدس سے ملتی ہے یعنی انسان کے قلم اور زبان سے اس کی تا دسید ن سخن اور سخن گستر سحر البیان کے صنائع سخن کی داد پوری نہیں ہو سکتی۔

میں ریویو کو ختم کر چکا۔ آخر میں خدا سے یہ دعا ضرور مانگوں گا کہ وہ جناب شوق قدوائی کو عمر دراز کرے اور جسقدر لطف ہم مشتاقان سخن کو ان کی لاجواب نظموں سے حاصل ہو رہا ہے اُسی قدر لطف حیات اُن کو حاصل رہے۔ آج ملک ہند میں ایک یہی تو ہیں جنکی سخن سنجیوں سے گلہائے رنگا رنگ سے سرزمین سخن گلزار ادب بنی ہوئی ہے اور جن کی آب و تاب اور لاجواب نظموں کے سلک سے عقد مروارید کی دولت بے بہا خزینۂ اردو کو حاصل ہو رہی ہے

سید شبیر حسن